منتخب تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ

سوزِ کربلا

جلد اوّل

وفاتِ رسُول اللہ سے شہادتِ امام حسنؑ تک

اور

سفرِ امام حسینؑ سے شامِ غریباں تک کے مرثیوں کا مجموعہ

ترتیب و انتخاب

سیّد حسین عبّاس زیدی

ناشر

احمد بکڈپو بھاٹک امام باڑہ شاہ کربلا

رضویہ سوسائٹی کراچی

891.4391
زیا

تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ

پیر انیس و دبیر و دیگر شعرائے کرام کے معرکۃ الآراء مرثیوں کا انتخاب

سوزِ کربلا

جلد اوّل

وفات رسولؐ اللہ سے شہادت امام حسنؑ تک اور
سفر امام حسینؑ سے شام غریباں تک کے مرثیوں پر مشتمل ہے۔

مرتبہ

سیّد حسین عباس زیدی

ناشر

احمد بک ڈپو پھاٹک امام باڑہ شاہِ کربلا رضویہ سوسائٹی، کراچی ۱۸۔

فون: ۶۲۷۳۹۴ قیمت روپے

Imam Khomeini Library
Karachi.
54
20.01.96
891.439105

(جُملہ حقوق محفوظ ھیں)

نام کتاب ـــــــــــ سوزِ کربلا

جلد ـــــــــــ اوّل

مرتبہ ـــــــــــ سیّد حسین عبّاس زیدی

طبع اوّل ـــــــــــ اکتوبر ۸۱ء

طبع دوم ـــــــــــ ۱۰ ستمبر ۸۳ء

ناشر

احمد بک ڈپو

پھاٹک امام باڑہ، شاہِ کربلا، رضویہ سوسائٹی، کراچی نمبر ۱۸

جامعِ زیارات

(پاکٹ سائز)

مترجمہ۔ حجۃ الاسلام مولانا رضی جعفر صاحب قبلہ

زیارات چہاردہ معصومینؑ

زیارات مقامات مقدسہ اور زیارات ایّام مخصوصہ کا مجموعہ۔

عکسی لکھائی، آفسٹ چھپائی، پاکٹ سائز، اور دیگر خصوصیات کے ساتھ

ملنے کا پتہ: احمد بک ڈپو۔ پھاٹک امام باڑہ شاہِ کربلا رضویہ سوسائٹی کراچی ۱۸

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد و آل محمد کی ذوات مقدسہ کائنات کے لئے رب کریم کا انعام ہیں یہ ایسی جلیل القدر ہستیاں ہیں کہ ان کے تذکرے سے ایمان کو جلا ملتی ہے زندگی اور آخرت سنورتی ہے سوز کربلا میں تاریخ وار مرثیوں کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔ یہ شہ پارے ان عظیم ہستیوں کے بلند کردار کا آئینہ دار ہیں جس سے تا حشر انسانیت کو فروغ ملتا رہے گا۔

ظلم و جبر کے خلاف حق کی بقاء کی خاطر محمد و آل محمد کی قربانیاں بے مثال ہیں۔ ان مرثیوں میں ان کے عظیم ایثار کی جھلک پائی جاتی ہے۔ مجالس کا انعقاد ہماری حقیقی بقاء کا ضامن ہے۔ مرثیہ اور سوز پڑھنے والے افراد کے لئے یہ ذخیرہ مرتب کیا گیا ہے تاکہ انہیں مختلف کتب و رسائل میں تاریخ وار مرثیوں کے انتخاب کے سلسلے میں زحمت اٹھانی نہ پڑے۔ ایک عرصہ سے ایسی تالیف کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ہر چند کہ یہ کام میرے لئے دقت طلب ضرور تھا کیونکہ اس نہج کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ بارگاہِ چہاردہ معصومین میں مختلف شعراء کے اس انتخاب کو ترتیب دینے کی جو مجھے سعادت حاصل ہوئی ہے اس میں نعمت پروردگار سمجھتا ہوں اور بارگاہ خداوندی میں میری یہی دعا ہے کہ ترویج و اشاعت علوم آل محمد کے سلسلے میں مجھے تائید ایزدی حاصل رہے۔

خادم بارگاہ اہلبیت

سید حسین عباس زیدی۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۸۱ء

فہرست مراثی

مرثیہ نمبر	مطلع	در حال	شاعر	صفحہ نمبر
۱	اے مومنو یثرب میں عجب نوحہ گری ہے	وفات حضرت رسول خدا	دبیر	۹
۲	زخمی ہوئے جو حیدر و صفدر نماز میں	شہادت حضرت علیؑ	عشق	۱۴
۳	اے روزہ دار و آہ و بکا کے یہ روز ہیں	〃	دبیر	۱۸
۴	روؤ کہ روز قتل امیر عرب ہے آج	〃	انیس	۲۳
۵	زہراؑ غم رسولؐ میں بے اختیار ہیں	وفات جناب سیدہؑ	-	۲۹
۶	جب خلق سے وقت سفر فاطمہ آیا	〃	انیس	۳۳
۷	جان نبیؐ و خاصۂ داور ہے فاطمہؑ	انہدام جنت البقیع	سجاد	۳۸
۸	اے چرخ تیرے ظلم کی کچھ انتہا نہیں	〃	〃	۴۰
۹	جس دم حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے جگر ہوا	شہادت حضرت امام حسنؑ	-	۴۳
۱۰	مسجد میں قتل جب شہ خیبر شکن ہوئے	〃	انیس	۴۷
۱۱	فرزند پیمبر کا مدینہ سے سفر ہے	مدینہ سے قافلہ امام حسینؑ کا سفر	〃	۵۲
۱۲	جب کوچ کی شب قبر نبیؐ پر گئے شبیرؑ	〃	دبیر	۵۸
۱۳	گھر سے جب بہر سفر سید عالم نکلے	〃	مونس	۶۴
۱۴	کوفہ میں جو پابند بلا ہو گئے مسلم	شہادت حضرت مسلمؑ	دبیر	۷۰
۱۵	انساں کے لئے موت ہے غم بے وطنی کا	〃	مونس	۷۶
۱۶	پردیس میں مسلم کے یتیموں پہ جفا ہے	شہادت پسران حضرت مسلمؑ	-	۸۰
۱۷	دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے	〃	انیس	۸۵
۱۸	کیا آمد ہلال محرم کا شور ہے	آمد ماہ محرم (چاندرات)	دبیر	۸۹
۱۹	لو اہل عزا پھر الم و غم کے دن آئے	〃	〃	۹۴

مرثیہ نمبر	مطلع	درحال	شاعر	صفحہ نمبر
۲۰	طے کر چکے حسین جو راہِ ثواب کو	قافلۂ حسینؑ کا کربلا میں ورود	انیسؔ	۱۰۰
۲۱	جب نہر پہ خیام حسینی بپا ہوئے	〃	دبیرؔ	۱۰۶
۲۲	جس گھڑی نہر پہ خیمہ شہ والا کے ہوئے	نہر سے خیام حسینی کا ہٹانا	مشرفؔ	۱۱۰
۲۳	کرب و بلا میں سجدہ گزاروں کی رات ہے	شب عاشور	جمیلؔ مظہری	۱۱۶
۲۴	عزیزو آج شہادت کی رات آئی ہے	〃	دبیرؔ	۱۱۹
۲۵	ابتر جو ہوا بعد عشاء دفتر ایماں	〃	〃	۱۲۲
۲۶	جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے	صبح عاشورہ	انیسؔ	۱۲۶
۲۷	جب آسماں پہ صبح کا تارا ہوا عیاں	〃	مونسؔ	۱۳۲
۲۸	جب صبح بے ردائی زینب عیاں ہوئی	〃	دبیرؔ	۱۳۸
۲۹	رن میں جب شہؑ کی طرف سے حرؑ دیندار آیا	شہادت حضرت حُرؑ	انیسؔ	۱۴۲
۳۰	جنّت کے در پہ حُرؑ جونہی جا کر کھڑا ہوا	〃	-	۱۴۵
۳۱	ہے شور کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں رن میں	شہادت حضرت عونؑ و محمدؑ	انیسؔ	۱۵۰
۳۲	جب رن میں گئے زینبؑ ناشاد کے پیارے	〃	〃	۱۵۶
۳۳	رن میں زینبؑ کے جو آغوش کے پالے آئے	〃	〃	۱۶۱
۳۴	اُمّت پہ پسر اپنے فدا کرتی ہے زینبؑ	〃	دبیرؔ	۱۶۶
۳۵	دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو	شہادت حضرت قاسمؑ	انیسؔ	۱۷۲
۳۶	رن میں باندھے ہوئے سہرے کو جو آئے قاسمؑ	〃	دبیرؔ	۱۷۶
۳۷	گھوڑے سے جبکہ قاسم گلگوں قبا گرا	〃	-	۱۸۱
۳۸	جب لاشۂ قاسمؑ پہ شہ بحر و بر آئے	〃	انیسؔ	۱۸۵
۳۹	جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا	شہادت حضرت عباسؑ	〃	۱۸۹
۴۰	جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے	〃	〃	۱۹۴
۴۱	جب کٹ گئے دریا پہ علمدارؑ کے بازو	〃	مونسؔ	۲۰۰
۴۲	جب زانوئے حسینؑ پہ عباسؑ مر گئے	〃	انیسؔ	۲۰۵
۴۳	اے مومنو اولاد کا مرنا بھی ستم ہے	رخصت حضرت علی اکبرؑ	〃	۲۱۰
۴۴	خزاں بہار میں یارب کوئی نہال نہ ہو	شہادت حضرت علی اکبرؑ	دبیرؔ	۲۱۶

مرثیہ نمبر	مطلع	در حال	شاعر	صفحہ نمبر
۴۵	چھٹا جو مہر امامت سے مہ لقا فرزند	شہادت حضرت علی اکبرؑ		۲۲۲
۴۶	دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	//	انیسؔ	۲۲۷
۴۷	چھٹا جو شاہ سے بیری میں نوجواں فرزند	//	انسؔ	۲۳۳
۴۸	جب نوجواں پسر شہ دیں سے جُدا ہوا	//	انیسؔ	۲۳۹
۴۹	دشت بلا میں گم علی اکبرؑ کی لاش ہے	//	مونسؔ	۲۴۵
۵۰	لاش اکبرؑ کی جو مقتل سے اٹھا لائے حسینؑ	//	//	۲۵۱
۵۱	بانوؑ کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے	شہادت حضرت علی اصغرؑ	دبیرؔ	۲۵۶
۵۲	گہوارہ سے حسینؑ جو اصغرؑ کو لے چلے	//	//	۲۶۰
۵۳	ڈھک کر عبا سے شاہ جو اختر کو لے چلے	//	//	۲۶۳
۵۴	جب وارث خلیل شہ کربلا ہوئے	//	//	۲۶۶
۵۵	آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے	شہادت حضرت امام حسینؑ	انیسؔ	۲۷۲
۵۶	جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رنمیں	//	دبیرؔ	۲۷۸
۵۷	برباد جب مرقع خیر النساء ہوا	//	//	۲۸۴
۵۸	تسبیح فاطمہ کے جو دانہ بکھر گئے	//	//	۲۸۹
۵۹	جس دم نگین خاتم پیغمبراں گرا	//	//	۲۹۳
۶۰	جب یاوروں سے دلبر زہراؑ بچھڑ گیا	//	تعشق	۲۹۸
۶۱	جب ذوالجناح خیمہ میں آیا لہو بھرا	ذوالجناح کا خبر شہادت لانا	-	۳۰۲
۶۲	جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیرؑ	عصر عاشور	دبیرؔ	۳۰۴
۶۳	عباسؑ کے حصے میں وفا حق نے عطا کی	//	//	۳۱۰
۶۴	جب رن میں قتل ہو چکا مظلوم کربلا	شام غریباں	//	۳۱۸
۶۵	جب رنمیں بوستان پیمبر ہوا تباہ	//	//	۳۲۰
۶۶	جب ہو گیا تباہ سفینہ نجات کا	//	//	۳۲۶
۶۷	کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں	//	مؤدّبؔ	۳۳۲
۶۸	آج مقتل میں عجب بے سروساماں ہیں حرم	//	وحیدؔ	۳۳۸

تقریظ

جناب پروفیسر نعیم تقوی صاحب مدظلہ العالی

رثائی شاعری محض عقیدت اور تاریخی حقائق و واقعات ہی کی آئینہ دار نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں یکجہتی و یگانگت، اخوت و محبت اور ایثار و قربانی کے مختلف پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ عبد اور معبود کا رشتہ اور اس رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے بھرپور جدّ و جہد مرثیوں میں منعکس ہے جلوت ہو یا خلوت، بزم ہو یا رزم، سفر ہو یا حضر کونسا پہلو مرثائی شاعری کی زینت نہیں ہے۔ مرثیہ کی جامعیت انسانی مسائل کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جدید مرثیے تو ہر اعتبار سے موجودہ حیات انسانی پر محیط نظر آتے ہیں۔

عزیزم السیّد حسین عباس زیدی سلمہٗ نے مرثیوں کا ایسا بے بہا انتخاب ترتیب دیا ہے جو لائق صد ہا ستائش ہے۔ تاریخ وار مرثیوں کا ایسا مجموعہ میری نظر سے اب تک نہیں گزرا۔

عزیزم السیّد حسین عباس سلمہٗ ملّت جعفریہ کے ہونہار، محنتی اور سرگرم کارکن ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ خداوند بزرگ و برتر ان کے قلبی انہماک میں اضافہ فرمائے اور عمر طویل سے سرفراز کرے۔ آمین

نعیم تقوی

۱۰-۱۰-۱۹۸۱ء

پیش لفظ

از جناب ہلال نقوی صاحب

اردو کے پہلے مرثیہ نگار برہان الدین جانمؔ (وفات ۹۹۰ھ) کے دور سے اگر تاریخ مرثیہ نگاری کے عہدار تقاء کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مختلف ادوار میں سوزخوان کی اہمیت وافادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اردو میں جب مرثیے کہنے کا آغاز ہوا اور مرثیے کو مجلس میں پیش کیا جانے لگا تو جو طریقہ اپنایا گیا وہ سوزخوانی ہی کا تھا۔

میر ضمیرؔ نے اسے سب سے پہلے منبر پر پہنچایا اور تحت اللفظ خوانی کا رواج ہوا ضمیرؔ کا یہ اقدام فن سوزخوانی کے ارتقاء میں ایک دیوار بھی بن سکتا تھا لیکن مجلس کی فضا سوزخوانی کی اس قدر محتاج تھی کہ اس فن کو وقتی دھچکا تو لگا لیکن اسے کبھی زوال نہیں آیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان خصوصاً کراچی میں اس فن نے بڑی ترقی کی یہ فن یہاں اتنا پھولا پھلا ہے کہ سوزخوان حضرات نے اس کو محسوس کیا کہ مرثیوں کا کوئی ایسا منتخب مجموعہ ہو جس میں واقعات کربلا کو سلسلہ وار جمع کر دیا گیا ہو۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے سیّد حسین عباس زیدی نے بڑی ہمت وتوانائی کے ساتھ قدم اٹھایا ہے۔ جب میں نے اس مجموعہ کے مسودہ کو دیکھا تو میں ان کے ذوق مرثیہ اور ادب دوستی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کراچی کے ایک مقامی کالج میں سائنس کے طالب علم ہیں اور وہ موزوں طبیعت بھی کر لیتے ہیں۔ دینی امور میں تحقیق کا ذوق اور مرثیے سے دلچسپی ان کی سرگرمیوں کا ایک خاص حصّہ ہے۔ اور انہیں سرگرمیوں کا ایک عملی نمونہ "سوز کربلا" ہے۔ ناقدری علم وفن کے اس دور میں ہمیں ایک نوعمر نوجوان کے پاکیزہ عزائم کی قدر کرنی چاہیئے۔

ہلال نقوی

ریسرچ اسکالر

جامعہ کراچی

مرثیہ نمبر ۱

وفاتِ حضرت رسولِ خداؐ

اے مومنو یثرب میں عجب نوحہ گری ہے
زہراؑ کیلئے داغِ غمِ بے پدری ہے
لب خشک ہیں مُنہ زرد ہے آنکھوں میں تری ہے
پیغمبرِ کونین چراغِ سحری ہے
ہوتے ہیں جُدا خیرِ بشر خیر النّساء سے
محبوبِ خُدا چھوٹتے ہیں شیرِ خدا سے

جس کا کلمہ پڑھتے ہیں سب مومن دیندار
اب عازمِ فردوس ہے وہ خاصۂ غفّار
مکّہ میں مدینہ میں تباہی کے ہیں آثار
اب ہوتے ہیں اُمت سے جُدا احمدِ مختار
فاقے کئے غمگیں رہے دُنیا کے سفر میں
آخر سفرِ مرگ کیا ماہ صفر میں

دروازہ جسے حرمِ علیؑ ہوتی ہے پنہاں
گم ہوتا ہے اب فاطمہؑ کے ہاتھ سے قرآں
یثرب صفتِ خانۂ دیں ہوتا ہے ویراں
فرقاں کی طرح ہوتے ہیں سادات پریشاں
چہروں پہ حسینؑ و حسنؑ اب خاک ملیں گے
سر ننگے تہہ تختۂ تابوت چلیں گے

جبرئیلؑ نے آکر کہا فرماتا ہے غفّار اپنے لئے ہستی و اجل کا ہے تو مختار
گر کہیے تو شفا دوں ابھی ہو دفع یہ آزار مشتاق ہمارا ہو تو کر موت کا اقرار

حضرت نے کہا کہہ دو شفا ہو کہ قضا ہو
بہتر ہے وہی جس میں کہ مالک کی رضا ہو

القصّہ کہ اسرارِ اجل کھل گئے دل پر مسجد میں گئے ضعف کے عالم میں پیمبرؐ
عباسؓ و علیؑ تھامے ہوئے دستِ مطہر اور جا کے پڑھا خطبۂ آخر سرِ منبر

پھر بولے کہ پہونچا ہو اگر رنج کسی کو
اے مومنو تم عفو کرو اپنے نبیؐ کو!

ہے آخری اس وقت مرا وعظ و نصیحت اب منبر و محراب سے ہوتا ہوں میں رخصت
آنا تھا من اللہ الی اللہ ہے رحلت اب ہو گی ملاقات مری روزِ قیامت

تم غم میں مرے نالہ و فریاد کرو گے
امسال مجھے حج میں بہت یاد کرو گے

گر بعد مرے پہنچے گا زہراؑ کو کچھ آزار مرقد سے مری پشت نہیں لگنے کی زنہار
یہ چار بزرگ آلِ پیمبرؐ ہیں خبردار زہراؑ و حسینؑ و حسنؑ و حیدرؑ کرار

واجب مرے اصحاب پہ ان سب کی ولا ہے
یارو یہی تبلیغِ رسالتؐ کا صلا ہے

فارغ جو ہوا وعظ سے وہ عاشقِ داورؐ پھر گھر میں گئے اور گرے فرشِ اجل پر
اس روز سے تشریف نہ پھر لے گئے باہر بس قبر میں جانے کو اُٹھے وآل سے پیمبرؐ

حیران و پریشان و دل افسردہ تھی زہراؑ
بابا ابھی جیتا تھا مگر مُردہ تھی زہراؑ

پر احمدِ مختار تھے جب ہوش میں آتے زہراؑ کو بصد یاس کلیجہ سے لگاتے
کہہ پیار سے یہ دونوں نواسوں کو سُناتے میں اچھا ہوں تم کس لئے کھانا نہیں کھاتے

وہ کہتے تھے کیا خاک تمنّا ہے غذا ہو
اللہ کرے جلد کہیں تم کو شفا ہو

ہشّہ کہتے تھے صحت ہو نہ ہو کھانا تو کھا لو نانا کے نواسو دلِ مضطر کو سنبھالو
چلّاتی تھی زہراؑ کہ نہ یہ ذکر نکالو! بابا مرے فرزندوں کو دیکھا تو بنالو

ارمان تھا تم کو تو نواسوں کی دلہن کا
کیا بیاہ نہ دیکھو گے حسینؑ اور حسنؑ کا

اک آہ کی رونے لگے اور غش ہوئے مولا دروازہ سے ناگاہ صدا یہ ہوئی پیدا
دو اذنِ حضور اے حرمِ سیّد والا جا کر کہا زہراؑ نے کہ بیہوش ہیں بابا

پھر آئی ندا پھر وہی فرما گئی زہراؑ
پھر تیسری آواز میں تھرّا گئی زہراؑ

فرصت جو ہوئی غش سے تو حضرت نے بھی پوچھا زہراؑ نے کہا ایک عرب آیا ہے تنہا
وہ مانگتا ہے اذنِ حضور اے مرے بابا کتنا ہی کیا عذر نہیں اس کو پذیرا
حضرتؐ نے کہا یہ ملک الموت ہے زہراؑ
ہنگام مری زیست کا اب فوت ہے زہراؑ

یہ اذن کسی سے کبھی نہیں مانگتا واللہ پر ہاں مرے در والے سے کُل تبہ سے ہے آگاہ
اللہ رے عزّ و شرفِ سیّدِ ذیجاہ بے حکم نہ گھر میں ملک الموت کو تھی راہ
پر کرب و بلا میں یہی گھر تھا یہی در تھا
کفّار کا انبوہ تھا آتش کا گزر تھا

پایا ملک الموت نے مولا کا جو فرماں آیا بادب روبرو سرورِ دوراں
حضرتؐ ہوئے اُمت کے لئے وحی کے خواہاں ہاتف نے کہا لے تری مشکل ہوئی آساں
محشر کا خدا نے کیا مختار ابھی سے
بخشے تری اُمّت کے گنہگار ابھی سے

مولا ہوئے خوش اور لحاف آپ نے اوڑھا سینہ میں جو گنجینۂ اسرارِ خدا تھا
سونپا وہ بلا کر اسدؑ اللہ کو تنہا زہراؑ سے مخاطب ہوئے اے عاشقِ بابا
کچھ دن تمھیں رہنا ہے یہاں رنج و محن میں
رونا نہ بہت مجھکو میں تڑپوں گا کفن میں

پھر دست یداللہ میں زہراؑ کا دیا ہاتھ فرمایا سلوک اس سے جو ہو گا ہے مرے ساتھ
زہراؑ سے کہا خدمتِ حیدرؑ ہے عبادات بے حکم یداللہ نہ کرنا تو کوئی بات

محتاج مرے بھائی کو سرتاج سمجھنا
حیدرؑ کی کنیزی کو تو معراج سمجھنا

پھر رو کے کہا اے مرے مظلوم نواسو! لو بیٹھ لو زانو پہ مرے کاندھے پہ چڑھ لو
مختار ہیں امت کا کئے جاتا ہوں تم کو وہ کیجیو جس میں مری امت کا بھلا ہو

شبّر سے کہا زہر دغا پی جیو پیارے
شبّیر سے فرمایا کہ سر دیجیو پیارے

فرمایا فرشتہ سے کہ لے قبض کر اب جاں راہی ہوئے مولا طرفِ روضۂ رضواں
پہلے شہ مرداں نے سر اپنا کیا عریاں پھر پھاڑے نواسوں نے بھی ننھے سے گریباں

غش میں کہیں زینبؑ کہیں کلثومؑ پڑی تھی
خاتون قیامت پہ قیامت کی گھڑی تھی

چلاتی تھی قربان گئی آنکھوں کو کھولو پھر کلمہ کا شاہد کرو پھر بیٹی سے بولو
جاتے ہو نواسوں سے بغلگیر تو ہو لو! پھر پیار سے سر رکھ کے مرے زانو پہ سو لو

قربان گئی داغ نہ دیتے ہوئے جاؤ
فردوس میں زہراؑ کو بھی لیتے ہوئے جاؤ

مرثیہ نمبر ۲

شہادت حضرت علیؑ

زخمی ہوئے جو حیدرِ صفدر نماز میں — شمشیرِ ظلم چل گئی سر پر نماز میں
گلگوں ہوئی جبین منور نماز میں — سر تا قدم لہو سے ہوئے تر نماز میں
صدمہ ہوا یہ سن کے صغیر و کبیر کو
زخمی کیا نماز میں کل کے امیر کو

تصویر تھی علیؑ کی جو بالائے آسماں — زخمی ہوئے سحر کو علیؑ ولی وہاں
تصویر کی جبیں سے لہو تھا وہاں رواں — یہ کہکے قدسیوں نے دمِ صبح کی فغاں
دانائے سرِّ غیب پہ کیسا غضب ہوا
جبریلؑ بولے قتل امیرِ عرب ہوا

ڈوبے ہوئے تھے خون میں سلطانِ حق نیوش — آنکھیں تھیں بند خویش پیمبرؐ کو تھا نہ ہوش
آیا سرہانے ایک ضعیف سفید پوش — تصویرِ نور اشک رواں دل میں غم کا جوش
آدم وہی تھے چاک گریباں کئے ہوئے
بیٹھے تھے گود میں سرِ زخمی لئے ہوئے

مسجد میں آئے شبّر و شبّیر نوحہ گر — اس حال سے علیؑ ولی آئے واں نظر
سر تا قدم تھا جسم مبارک لہو میں تر — لپٹے گلے سے دوڑ کے کہکے پدر پدر
دامن سے دونوں خون جبیں پوچھتے رہے
گرد اُن کے منھ کی خود شہ دیں پوچھتے رہے

بیت الشرف میں آئے شہ عرش بارگاہ — باہر سے آئے بازوؤں کو تھامے دونوں ماہ
لپٹے گلیم کہنہ پہ افسوس آہ آہ — زینب نے لیں بلائیں کہا بیکسو کے شاہ
اُٹھے گلیم کہنہ سے کچھ اور لاؤں میں
ارشاد ہو تو اپنی ردا کو بچھاؤں میں

تھے دمبدم زیادہ بنی زادیوں کے بین — تھمتا نہیں تھا خون سر شاہ مشرقین
باشندگان یثرب و بطحا کو تھا نہ چین — چھپ چھپ کے روتے پھرتے تھے ہر سو حسینؑ
کی آہ دل کو تھام کے نزدیک جو گیا
رنگ جناب شیر خدا سبز ہو گیا

اکیسویں شب آئی کہ موت آئی ہے ستم — دردا ہوا علیؑ کو سوا کرب دمبدم
تکیے سے اُٹھ سکا نہ سر الیسا بڑھا ورم — فرمایا آج شب کو چراغ سحر ہیں ہم
شہزادیوں نے ماتم شاہ عرب کیا
حضرت نے سب کو بہر وصیّت طلب کیا

لو مومنو امام کی رحلت قریب ہے ہنگام حشر وقت قیامت قریب ہے
آقا کی تم غلاموں سے رخصت قریب ہے باغِ جہاں بعید ہے جنّت قریب ہے
صدمے سے انس و جن و ملک جان کھو دینگے
آقا ہمارے مر گئے یہ کہہ کے رو دیں گے

لیتے تھے کروٹیں جو علیؑ کہہ کے آہ آہ سب چپ کھڑے تھے رنج سے تھیں حالتیں تباہ
رومال زخم سر پہ ہلاتھا کوئی آہ! لپٹا کے سینہ سے سر زینبؑ کو روئے شاہ
تھا غیر حال سر ور عرش احتشام کا
چوما گلا حسین علیہ السلام کا

تھا بوسگاہ حیدر کرار جو گلا! اس پر ستم ہے خنجر شمر لعیں چلا
لپٹی تھی ریگ دامن صحرائے کربلا زینبؑ کے سر پہ آگئی رنجیں نئی بلا
در دا یہ حال دختر مشکلکشا ہوا!
رسّی بندھی تھی ہاتھ میں سر تھا کھلا ہوا

اُم البنین دوڑیں یہ عباسؑ سے کہا بیٹا چلو سبھوں کو بلاتے ہیں مرتضا
یوں آئیں لیکے ساتھ قیامت ہوئی بپا اپنا بھی سر برہنہ پسر بھی برہنہ پا
مُنھ پر ملی تھی خاک یتیمانہ جامہ تھا
بر میں سیہ لباس تھا کالا عمامہ تھا

فرما چکے جو سب کو وصیت امام دیں عباس کو گلے سے لگایا بلا لیں
بولے سوا ہیں عمر میں شبیر شک نہیں ان کا ہے خیال مگر میر مہ جبیں

ان میں نہ ہو قصور وفا کے جو کام ہیں
ہشیار تم حسینؑ سے اب ہم تمام ہیں

عباسؑ سے یہ کہتے ہی پیچ ہو گئے علیؑ تکبیر غش میں حیدرِ کرارؑ نے کہی
زینبؑ ہوئیں یتیم قضا مر تضےٰ کی واحسرتا کہ جان بدن سے نکل گئی

دونوں جہاں کے مالک و مختار مر گئے
آئی ندا کہ حیدرِ کرارؑ مر گئے!

زینبؑ پکاری بھائی حسنؑ کیا کروں بتاؤ بابا خموش ہو گئے دیکھو تو نبض آؤ
بھائی پدر کی لاش پہ چادر ذرا اڑھاؤ باہر جو لوگ جمع ہیں کہہ آؤ ان سے جاؤ

عارض ہیں زرد عاشق ربِّ قدیر کے
ہیں سرد ہاتھ پاؤں جناب امیرؑ کے

دیکھی جو بڑھ کے نبض شہنشاہ شش جہات یہ کہہ کے گر پڑے حسنؑ سبز پیرہن
بھائی حسینؑ اٹھ گئے دنیا سے بوالحسنؑ کافور جلد لاؤ منگاؤ ابھی کفن!

اپنا جہاں میں کوئی ٹھکانا نہیں رہا
بابا نے کی قضا وہ زمانا نہیں رہا

مرثیہ نمبر ۳

شہادت حضرت علیؑ

اے روزہ دار آہ و بکا کے یہ روز ہیں سادات پر نزول بلا کے یہ روز ہیں
سر تاج اوصیا کی عزا کے یہ روز ہیں تم سے وداع شیر خدا کے یہ روز ہیں
زخمی ہوئے امام تمہارے نماز میں!
ظالم نے روزہ دار کو مارا نماز میں

ماہِ مبارک رمضاں اور خدا کا گھر تڑکا وہ نور کا وہ شب قدر کی سحر
پیشِ خدا وہ سجدے میں شیر خدا کا سر اور ہائے تیغِ ظلم کی ضربت وہ فرق پر
فوارے خون کے زخمِ جبیں سے بہا کئے
سجدے میں آپ رب الاعلیٰ کہا کئے

لکھا ہے جب دو نیم ہوا فرقِ مرتضا سدرہ سے جبرئیل کے رونے کا غل اٹھا
پھینکی سروں سے زینب و کلثوم نے ردا چوٹکا کے بھائیوں کو پکاریں غضب ہوا
سنتے ہو جبرئیل نے اس وقت کیا کہا
وہ بولے پیٹ کر قتل المرتضیٰؑ کہا

دوڑے یہ کہہ کے جانب مسجد وہ نیک ذات ڈوبی ہوئی لہو میں ملی کشتی نجات
ماتھے پہ خون باپ کا مل کر کہی یہ بات ہے ہے اٹھایا قبلہ و کعبہ پہ کس نے ہات
رُلوایا نانا جان کو دار السّلام میں
بن باپ کا کیا ہمیں ماہ صیام میں

ناگاہ نمازیوں کے گرہ وہ آئے ننگے سر حیدرؑ نے مجتبیٰؑ سے کہا آنکھ کھول کر
پڑھواؤ تم نماز جماعت کی اے پسر ہم بیٹھے بیٹھے پڑھتے ہیں اپنے مقام پر
لیکن حبیبؐ کے زخم پہ رومال باندھ دو
میرا سر شگافتہ اے لال باندھ دو

باندھا حسنؑ نے زخم سر شیر ذوالجلال بولے علیؑ کہ اور کسو درد ہے کمال
شبّرؑ نے پھر کہا تو کیا پھر وہی مقال پھر حسرت باندھکر یہ پکارا وہ خوشخصال
اب درد کیسا اے اسد ذوالجلال ہے
ہاتھوں سے سر پکڑ کے کہا وہ ہی حال ہے

پڑھوا کے پھر نماز جماعت کی مجتبا بابا کے سر پہ پٹی لگے آیۂ شفا
ناگاہ آ کے یہ کسی عورت نے دی صدا زہراؑ کے پیارو تم سے یہ زینبؑ نے ہے کہا
بابا کو میرے جلد جو گھر میں نہ لاؤ گے
تو سر برہنہ مجھکو بھی مسجد میں پاؤ گے

بولے علیؑ حواس ابھی سے بجا نہیں زینبؑ سے کہدو کوفہ ہے یہ کربلا نہیں
میں بے دیار و یکس و بے آشنا نہیں شیعہ ہیں گرد نرغۂ اہل جفا نہیں
پردے سے ننگے سر تو ابھی کیوں نکلتی ہے
کیا خلق پر حسینؑ کے تلوار چلتی ہے

شیعوں میں اس بیان سے ہوا اور شور و شین لائے پسر گلیم پئے شاہ مشرقین
یوں لے چلے گلیم میں حیدرؑ کو نورعین کاندھا دیئے سرہانے حسنؑ پائینتی حسینؑ
آگے جلو میں روح امیں ننگے سر چلا
لاشہ کنندۂ در خیبر کا گھر چلا

پہونچا جو لاشۂ شہ مرداں قریب در بے ساختہ نکل پڑی زینب برہنہ سر
بعد اس کے یونہی آئی تھیں اکبرؑ کی لاش پر یہ واقعہ تھا باپ کا وہ ماتم پسر
رکھ رکھ کے ہاتھ آنکھوں پہ سب خلق ہٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ لاش سے زینبؑ لپٹ گئی!

لاشے کی پیشوائی کو سب اہلبیتؑ آئے سر کو سنبھالے ہاتھوں پہ بیت الشرف میں لائے
ام البنین زمین پہ تڑپ کر پکاری ہائے عباسؑ ہے کہاں ارے جراح کو بلائے
جلد آئے زخم سینہ کو مرہم لگانے کو
بولا کوئی حسینؑ گئے ہیں بلانے کو

باہر سے آئے اتنے میں شبیرؑ نے گے سر — زینبؑ کو پایا باپ کی بالیں پہ نوحہ گر
بولے کہ جاؤ حجرے میں اے عاشق پدر — بابا کا زخم دیکھے گا جرّاح آن کر

وہ بولی ایسے وقت نہ جُدا ہونا چاہیئے
مل مل کے اب پدر کے گلے رونا چاہیئے

زینبؑ کے آگے لونڈیوں نے رو کدی ردا — جرّاح کو حسینؑ بلا لے کہ گھر میں آ
رونے لگے حسین کی اُلفت پہ مرتضا — پوچھا تو بولے تیری غریبی پہ میں فدا

جز خنجر دو دم کوئی ہمدم نہ ہوئے گا
زخموں کا تیرے بخیہ و مرہم نہ ہوئے گا

کھولا حسنؑ نے زخم سر شیرِ کبریا — جرّاح نے مُشاہدہ کرتے ہی رو دیا
جُھک کر حسنؑ کے کان میں اظہار کچھ کیا — سُنتے ہی مجتبیٰؑ نے کلیجہ پکڑ لیا

وہ آہ کی کہ ہل گئے دِل سب کے سینہ میں
تھرّا گئی ضریحِ پیمبرؐ مدینہ میں

زینبؑ نے روحِ فاطمہ کا واسطہ دیا — بولی کہ بھائی جان بیاں اس نے کیا کیا
پوچھو تو اس طرح کا ہے زخمی کوئی جیا — تجویز کیا ہے بہر سرِ شاہِ اوصیا

ٹانکوں کا یہ محل ہے کہ مرہم کا کام ہے
ہے جان کی تو خیر یہ نازک مقام ہے

بابا کی زندگی میں یہ آزار جائے گا　　غسل شفا پدر مرا کس روز پائے گا
رو کر کہا علیؑ نے کہ یہ کیا بتائے گا　　اکیسویں کو باپ تمہارا نہائے گا
دو دن کے بعد رنج و قلق سے فراغ ہے
کیسے پڑے نئے گلے میں ہیں اور سبز باغ ہے

سمجھی ہجوم غم میں نہ وہ باپ کا سخن　　پھر مجتبیٰؑ کو دی قسم رب ذوالمنن
منہ پر طمانچے مار کے کہنے لگے حسنؑ　　بالکل جواب دیتا ہے جراح اے بہن
کہتا ہے یہ کہ زہر اثر اپنا کر چکا
کس کی دوا کروں مرا آقا تو مر چکا

اس زہر میں بجھائی ہے قاتل نے یہ حسام　　جس کے نہ ایک زخم سے جانبر ہو خاص و عام
بخیہ کی یہ جگہ ہے نہ مرہم کا ہے مقام　　اب کوئی دن میں قبلہ حاجات ہیں تمام
امت کے دل میں بغض رسالت پناہ ہے
گھر فاطمہؑ کا روز بروز اب تباہ ہے

ناگاہ اہل بیت کی بستی اجڑ گئی　　اکیسویں[۲۱] کو دھوم قیامت کی پڑ گئی
دنیا کے انتظام کی صورت بگڑ گئی　　غل پڑ گیا کہ باپ سے زینبؑ بچھڑ گئی
شیعو چلو خوشی کہ مرادیوں کا دم نکلتا ہے
تابوت بادشاہ دو عالم نکلتا ہے

مرثیہ نمبر ۴

شہادت حضرت علیؑ

رو دو کہ روز قتل امیر عرب ہے آج
پیٹو کہ روز حشر ہے ضربت کی شب ہے آج

بزم عزا میں آ کے نہ رونا غضب ہے آج
غم سے حسنؑ حسینؑ کی حالت عجب ہے آج

پایا جو محو بندگی بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

سجدے میں شیر حق کا دو پارہ ہوا جو سر
اکبار کانپنے لگے مسجد کے بام و در

ابلا لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر

گردوں پر جبرئیل پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیر عرب ہوا

پہونچی بگوش حضرت زینب جو یہ صدا
رو کر جناب شبر و شبیر سے کہا

جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کہتا ہے کوئی قتل ہوئے شاہ لافتا

کس نے کیا شہید امام حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

یہ سُنکے دوڑے جانبِ مسجد حسنؑ حسینؑ دیکھا کہ رُو رہے ہیں نمازی بشورِ و شین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہِ مشرقین سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

حضرت کے گرد جمع تھے اصحاب باوفا فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا
تم سے وصی رسولؐ کا ہوتا ہے اب جُدا وہ پوچھ لیوے آج جسے جو ہو پوچھنا
غم میں ہمارے خاک سروں پر اڑاؤ گے
کل خویشِ مصطفیٰؐ کو نہ دینا یمن پاؤ گے

کی اُٹھ کے صعصہ بن حبان نے عرض تب خاطر میں چند مسئلے ہیں یا شہِ عرب
جب چاہا ان کو پوچھوں تو مانع ہوا ادب دیتے ہیں حکم آپ تو کرتا ہوں عرض اب
خادم امیدوار ہے اس کے جواب کا
آدم کا مرتبہ ہے سوا یا جناب کا

سر کو جھکا کے شیرِ خدا نے دیا جواب آتا ہے مجھکو اپنی ثنا کرنے سے حجاب
گندم کے کھانے سے وہ ہوئے مورد عتاب میں نے بغیر منع کیا اس سے اجتناب
فاقوں میں شکرِ حق سے زباں آشنا رہی
نانِ جویں علیؑ کی ہمیشہ غذا رہی!

کی عرض رو کے اس نے کہ یا شاہِ لافتا رُتبہ زیادہ آپ کا ہے یا کہ نوحؑ کا
فرمایا جب کہ اُمّتِ سرکش نے کی جفا کی حق میں ان کے نوحؑ سے صابر نے بد دعا
باندھا تمگروں نے گلا ریسمان سے
میں نے دُعائے بد نہ کبھی کی زبان سے

اور دوسرے سعید نہ تھا نوح کا پسر کافر رہا صدا نہ ہوا دیں سے بہرہ ور
میرے پسر رسولؐ کے ہیں پارۂ جگر یہ دونوں لعل عرش الٰہی کے ہیں گہر
سردارِ اہلِ خلد ہیں عالی مقام ہیں
نانا نبیؐ ہیں باپ امام آپ امام ہیں

پھر اس نے عرض کی کہ غلام آپ پر نثار قدر آپکی سوا ہے کہ موسیٰ کا افتخار
فرمایا ان کو جب یہ ہوا حکم کردگار فرعون پاس جا کے کرو حال آشکار
کی عرض خوف یہ ہے کہ جیتا نہ آؤں میں
گر حکم ہو تو بھائی کو بھی لیکے جاؤں میں

مجھ سے رسولؐ پاک نے جسدم کہی یہ بات ہاں جا کے اہلِ کعبہ میں پڑھ سورہ برات
تھے جمع واں بہت سے صنادید بد صفات لایا بجا میں حکمِ شہنشاہِ کائنات
سورہ پڑھا برات کا اس عزّ و شان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

جب طور پر عصا ہوا موسیٰ کا اژدھا　　موسیٰ اسے پکڑ یہ ہوا حکمِ کبریا
وہ ڈر گئے یہ تھا بشریت کا مقتضا　　غیر از خدا کسی سے کبھی میں نہیں ڈرا
حیدرؑ لقب ملا مجھے طفلی کے عہد میں
دو انگلیوں سے پیر ہے اژدر کو مہد میں

عیسیٰ کو اس نے پوچھا تو مولا نے یہ کہا　　مادر ہے انکی حضرت مریمؑ سی پارسا
جب رد و ضع حمل انھیں کعبہ میں ہوا　　آئی ندائے غیب کہ باہر یہاں سے جا
یہاں کوئی امر غیر عبادت روا نہیں
طاعت کی یہ جگہ ہے ولادت کی جا نہیں

اور وقت آیا میری ولادت کا جس گھڑی　　مادر مری دعا کے لئے کعبہ میں گئی
باہر سے فاطمہ کو صدا یہ کسی نے دی　　اندر تو آ جا کعبہ کے اے مادرِ علیؑ
مریم سے مرتبہ ترا اس دم زیاد ہے
تو ہے کنیز خاص علیؑ خانہ زاد ہے

یہ کہتے کہتے شیرِ خدا کو غش آگیا　　پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا　　گھر اپنے جاؤ وقتِ ملاقات ہو چکا
آتے ہیں غش پہ غش شہ کون و مکان کو
جی بھر کے دیکھنے دو ہمیں بابا جان کو

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دو سوار زینبؑ بلائیں لینے لگی رو کے زار زار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہِ ذوالفقار آؤ مرے قریب ہے وقتِ احتضار
یہ سُنکے روتے روتے دم ان کے الٹ گئے
بارہ۱۲ پسر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا اور ہاتھ ان کے ہاتھ میں نو۹ بیٹوں کا دیا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
پاسِ ادب سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ماں ان کو دیکھتی تھی وہ مُنہ ماں کا تکتے تھے

اُمّ البنینؑ قدم پہ گری کھولے سر کے بال کی عرض یا علیؑ ولی شیر ذوالجلال
عباسؑ سے ہے خاطرِ اقدس پہ کچھ ملال لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
رہتا یہ خدمتِ حسنؑ و خوش صفات میں
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا ان کے ہات میں

اُمّ البنینؑ سے رو کے علیؑ نے کہی یہ بات دیتا حسنؑ کے ہاتھ میں کیونکر میں اس کا ہات
شیدا ترا پسر کا ہے شبیرؑ خوش صفات اور عاشقِ حسینؑ ہے عباسؑ نیک ذات
شانِ بہادری ہے ترے نورِ عین میں
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دستِ حسینؑ میں

عباسؑ کو بُلا کے گلے سے لگا لیا ہاتھ اس کاندھے کے ہاتھ میں شبیرؑ کے کہا
اے لعل یہ غلام تمھارا ہے باوفا میری طرح سے پیار اسے کیجیو صدا
آفت کا دن ہو تجھکو مقدّر دکھائے گا
اس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

عباسؑ سے کہا کہ سُن اے میرے نورِ نہال تو ہے علیؑ کا لعل وہ ہے مصطفےٰؐ کا لعل
رکھیو ہمیشہ خاطرِ شبیرؑ کا خیال اس کا ملال احمدِ مرسل کا ہے مَلال
پیشِ خُدا بزرگ ہے رُتبہ حسینؑ کا
مجھکو بھی پاس رہتا ہے اس نورِ عین کا

بچّوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر پہلے حسینؑ سے تو مرے باندھیو کمر!
پہنچے جو کربلا میں یہ سُلطانِ بحر و بر خیمہ کی چوکی شام سے تو دیجیو تا سحر
روزِ نبردِ معرکہ آرائی کیجیو!
پانی ہو اسپہ بند تو سقّائی کیجیو!

یہ سُنکے ساری بیبیاں رونے لگیں زار زار اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار فرزندوں کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی
اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی!

مرثیہ نمبر ۵

وفات جناب سیّدہؑ

زہراؑ غمِ رسولؐ میں بے اختیار ہیں غش میں بھی مصطفےٰؐ کیلئے اشکبار ہیں
آنکھوں سے نیند اُڑ گئی ہے بے قرار ہیں تبدیلی لباس کہاں سوگوار ہیں
اُٹھیں یہ جو بیٹیاں آئیں کھڑی ہیں
میلی ردائیں ڈھلکے ہوئے سر پہ پڑی ہیں

ایسا مرض بڑھا کہ لہو تن کا گھٹ گیا آنکھیں کبھی پھریں کبھی دم اُلٹ گیا
رات آتے ہی پہاڑ ہوئی دن جو کٹ گیا دل زندگی سے جانِ پیمبرؐ کا ہٹ گیا
آہیں جو کیں اذیت بیمار بڑھ گئی
اس فاقہ کش کی زردیٔ رخسار بڑھ گئی

حالت کنیزوں کو نظر آئی یہ ایکبار دم رُک گیا بتول کا ہے وقتِ اختصار
دوڑیں وہ لونڈیاں سوئے مسجد بہ جانِ زار چاہا علیؑ پہ حال ہو زہراؑ کا آشکار
فارغ نماز ظہر سے ہو کر اداس تھے
لازم مکان آپ شہِ حق شناس تھے

دیکھا کہ روتی پیٹتی آتی ہیں لونڈیاں فرمایا خیریت تو ہے کیوں اشک ہیں رواں
کہنے لگیں وہ عرض کہ یا شاہ انس و جاں جاتی ہے سوگوار پیمبرؐ سوئے جناں
جلدی چلیں امام یہ رخصت کا وقت ہے
صورت بتا رہی ہے کہ رحلت کا وقت ہے

مسجد سے گھر کی سمت بہ سرعت چلے علیؑ داخل ہوا مکاں میں جو اللہ کا ولی
دیکھا بہت سے فرش پہ زہراؑ کو بے کلی غش آگیا ہے موت کے آثار ہیں جلی
زانو پہ سر کو رکھ کے صدا دی امام نے
کھولی نہ آنکھ دختر خیر الانام نے

رو کر کہا کہ میں ہوں علیؑ تم ہو کیوں خموش ملنے کو آیا ہوں کہ ہے الفت کا دل میں جوش
پہنچی یہ شاہ دیں کی صدا درمیانِ گوش نام علیؑ سے آگیا بنتِ نبیؐ کو ہوش
باتیں ادھر تھیں یاس کی آہ و بکا ادھر
رونے لگیں بتولؑ ادھر مرتضیٰؑ ادھر

جو جو وصیتیں تھیں مناسب دمِ قضا فارغ ہر ایک سے ہوئیں جب اشرف النساء
آخر میں کی یہ عرض کی یا شاہ لافتیٰ فرمائیے معاف جو کچھ مجھ سے ہو گلا
رو کر کہا علیؑ ولی نے بتولؑ سے
حافظ خدا ہے جائیے ملنے رسولؐ سے

اللہ جانتا ہے رضامند ہے علیؑ افسوس آکے موت کسی کی نہیں ٹلی
اور ہوں میں عذرخواہ کہ ہے دل میں بے کلی مشہور ہے تمھاری غریبی گلی گلی

مخفی نہیں ہے رحمت و محنت جہان میں
فاقے کئے ہیں تم نے علیؑ کے مکان میں

اسما سے بولی اُمتِ احمدؐ کی پردہ پوش ہٹ جائیں سب نہ چاہیئے اسدمؑ بکا کا جوش
کر یوں دعا خدا سے ابھی ہیں حواس ہوش پھر تم کو اختیار ہے جب ہونگی میں خموش

کھل جائے گا گذر گئی مدت حیات کی
دینا خبر علیؑ ولی کو وفات کی

پھیلائے ہاتھ جانبِ قبلہ بتولؑ نے چادر سے منہ چھپا لیا اس دلملول نے
خالق سے از دل کہے بنتِ رسولؐ نے آغوش اپنی کھولدی باب قبول نے

جب ہوگئیں خموش تو اسما نے آہ کی
آواز دے کے چہرے کی جانب نگاہ کی

دیکھا کہ جاں بحق ہوئی وہ آسمان جناب شیدا پدر کی خلد میں ہے کون دے جواب
ناگاہ آئے فاطمہؑ کے ماہ و آفتاب بنتِ عمیس سے کیا آتے ہی یہ خطاب

خاموش کیوں ہیں غش میں ہیں اماں کہ سو گئیں
اُس نے کہا کہ داخلِ فردوس ہوگئیں

عمامے پھینک کھینچ کے دوڑے وہ نوحہ گر　　آکر سرہانے ماں کے حسنؑ تھام کر جگر
قدموں میں گر کے رونے لگا دوسرا پسر　　اسما پکاری اپنے پدر کو کرو خبر

روتے ہوئے وہ جانب مسجد رواں ہوئے
لائے علیؑ کو حشر کے ساماں عیاں ہوئے

فرمایا رو کے ساقیٔ کوثر نے کیا کہوں　　دشمن کا ظلم دیکھ کے صدمہ ہوا فزوں
افسوس بعد مرگ بھی چہرہ ہے نیلگوں　　ہے ایک آنکھ فاطمہؑ کی سرخ مثل خوں

معصومہ پر یہ شدتِ آزار ہے غضب!
سوجا ہوا ہے بازوئے خمدار ہے غضب

کفنایا بعد غسل کے حیدرؑ نے کی فغاں　　سب نے کیا وداع جنازہ ہوا رواں
گزری تھی نصف شب کہ چلا ہادیٔ جہاں　　مٹی تھی جس مقام کی تابوت لے وہاں

کرتی تھیں جسکو یاد خدا نے وہ گھر دیا
روئے نماز پڑھ کے علیؑ نے دفن کر دیا

جو جو شریک دفن تھے محزوں ہوئے کمال　　پلٹے مکاں کو روتے ہوئے شاہ ذوالجلال
ہر وقت سوگواروں کا بڑھتا گیا ملال!　　ماتم نشیں تھیں زینبؑ و کلثومؑ خستہ حال

صورت نظر نہ آئی کسی وقت چین کی
فریاد دوہ حسنؑ کی وہ آہیں حسینؑ کی

مرثیہ نمبر ۶

وفات حضرت سیّدہؑ

جب خلق سے وقتِ سفر فاطمہؑ آیا
تب زینبؑ و شبّیرؑ کو پاس اپنے بُلایا
روئی بہت اور بیٹے کو چھاتی سے لگایا
زینبؑ کے دیا ہاتھ میں ہاتھ اور یہ سُنایا
اے زینبؑ بیکس مری دولت سے خبردار
محبوبِ الٰہی کی امانت سے خبردار

بیٹی اسے زہراؑ نے بڑے دُکھ سے ہے پالا
یہ رُوح مرے جسم کی ہے گیسوؤں والا
سمجھی اسے آنکھوں کی ضیا گھر کا اُجالا
حُجرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا
سوئی ہوں تو پہلے اِسے چھاتی پہ سُلا کر
چکّی بھی جو پیسی ہے تو گودی میں لٹا کر

اے لاڈلی اس لال کا دشمن ہے زمانا
شبّیرؑ کو میری ہی نظرِ بد سے بچانا
تکلیف بھی سہ لیجیو ایذا بھی اُٹھانا
صدقے گئی مادر کی وصیّت نہ بھلانا
ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینبؑ
جائے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینبؑ

یہ نیر سے جس سال لگے گھٹنوں پہ چلنے — میں چھوٹے سے تلووں کو لگی آنکھوں سے ملنے
دی طاقتِ رفتار جو خلاقِ ازل نے — یہ نامِ خدا تب لگے اٹھ اٹھ کے سنبھلنے

ہر گام پہ سایہ کی طرح ساتھ پھری ہوں
ٹھوکر بھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

یوں سوچ کے پھر لو لی کہ اے زینبؑ ناچار — ان باتوں کو میری نہ بھلانا تو خبردار
کہہ یہ تو کہ اولاد اگر دے تجھے غفّار — اور ہو میرا شبیرؑ مصیبت میں گرفتار

احسان کیسے کیا تو حسینؑ ابن علیؑ پر
وہ بولی میں صدقے کروں بیٹوں کو اخی پر

زہراؑ نے کہا بس یہی میری ہے تمنّا — لے بیٹی میں خوش تجھ سے چلی دودھ بھی بخشا
پھر رو کے یہ حیدرؑ سے مخاطب ہوئی زہراؑ — اب آپ سے ہے یہ سخن آخری میرا

میں قبر میں پھاڑوں گی گریبان کفن کو
ایذا نہ ہو کچھ میرے حسینؑ اور حسنؑ کو

مشہور ہے سب خلق میں یا شیرِ الٰہی — بچّوں کی ہے بن ماں کے خرابی و تباہی
سو فاطمہؑ تو ہوتی ہے اب خلد کو راہی — تنہائی مرے بچّوں کی تقدیر نے چاہی

لپٹائیو سو بار گلے شام و سحر میں
میں قبر میں تڑپوں گی جو یہ روئیں گے گھر میں

کیا بچوں کا حق ماں ہے کچھ آپ نہ جانا　　پیوند پھٹے کرتوں کا نہلانا دھلانا
خود خاک پہ سونا انھیں بستر پہ سلانا　　خود فاقہ کشی کرنا غذا ان کو کھلانا
ہر طرح سے آرام انھیں دیجیو صاحب
زہراؑ سے بھی پیاران کو سوا کیجیو صاحب

اس بات کو کہیئے تو کہوں جوڑ کے میں ہاتھ　　ہاتھ اُن پہ اُٹھانا نہ اے سیدہ سادات
مخصوص یہ شبیرؑ مرا لاڈلا خوش ذات　　رو دیتا تھا گر غصہ سے یہ کہتی تھی اک بات
سب گود میں لیں مرتبہ قرآں کا سمجھ کر
گھر کے نہ کوئی اب اسے بن ماں کا سمجھ کر

پھر روئی بہت مل کے گلے بیٹوں سے زہراؑ　　فرمایا تمھیں دولھا بنے آہ نہ دیکھا
فضہؑ سے کہا قبر نبیؐ پر انھیں لے جا　　رو لیں نہ مرے سامنے یہ اُن کو تو بہلا
اے فضہؑ کبھی رنج انھیں ہونے نہ دینا
پیاروں کو مرے مر کے بھی رونے نہ دینا

یہ کہہ کے کیا بند درِ حجرۂ اطہر　　سب خورد و کلاں رونے لگے آن کے باہر
آواز سنی کلمۂ طیب کی مکرر　　پھر کچھ نہ صدا آئی کہا سب نے یہ رو کر
لو اُٹھ گئی دنیا سے نشانی بھی نبیؐ کی
رحلت ہوئی بس آج رسولؐ مدنی کی

سر کھولدیئے لونڈیوں نے منہ پہ ملی خاک یوں تڑپیں زمیں پر کہ لرزنے لگے افلاک
رونے لگی فردوس میں روحِ شہ لولاک کلثوم نے ننھّا سا گریبان کیا چاک
میں کیا کہوں کیا زینبؑ مضطر کی صدا تھی
ہے ہے مری مادر، مری مادر کی صدا تھی

بی بی ہمیں بعد آپ کے زیست اپنی ہے بھاری ہم لونڈیوں کی قدر تھی رویت سے تمھاری
اماں کوئی پوچھے گا نہ اب بات ہماری زینبؑ کو تو ہمراہ لو میں آپ کے واری
بابا کی ملاقات کو تنہا ہی چلو گی
اِک لونڈی بھی خدمت کیلئے ساتھ نہ لو گی

اماں میں تری کونسی شفقت کو کروں یاد پیار آپ کے یا آپ کی الفت کو کروں یاد
یا آسیہ سائی کی مشقت کو کروں یاد یا فاقہ کشی کی میں ریاضت کو کروں یاد
کہنہ ہے ہر اک رختِ بدن ہائے تمھارا
اب آئے تو جنّت سے کفن ہائے تمھارا

القصّہ کہ دن ماتمِ زہراؑ ہی میں گزرا شب آئی کھلے گیسوؤں سے دینے کو پرسا
حیدرؑ نے کیا غسل کا سامان مہیّا معصومہ کے اک ہاتھ پہ دُرّہ جو لگا تھا
وہ دستِ بتول آہ خمیدہ نظر آیا
یہ دیکھتے ہی منہ کو علیؑ کا جگر آیا

نہلا کے جو کفنانے لگے میتِ زہراؑ زینبؑ نے یہ کی عرض حضورِ شہ والا
آماں کامری ہاتھ تو سیدھا کرو بابا وہ رو کے پکارے یہ خمیدہ ہی رہیگا
تابوت میں پھر میتِ زہراؑ کو لٹا کر
سب سے کہا لو بیبیو رخصت کرو آکر

سب لونڈیاں تابوت پہ ہونے لگیں قرباں مُردے کی بلائیں لیں اِک بی بی نے اس آں
زینبؑ نے کہا بی بی وطن کر چلیں ویراں بابا کیلئے جان دی پورے ہوئے ارماں
بے حشر کے مُنہ ہم کو نہ دکھلاؤ گی بی بی
کاہے کو اب اس گھر میں کبھی آؤ گی بی بی

تابوت پہ زینبؑ کا یہ تھا نالۂ جانکاہ رخصت کو حسینؑ اور حسنؑ آئے جو ناگاہ
تابوت میں زہراؑ کو ہوئی تب حرکت آہ اور بندِ کفن فاطمہؑ کے کھل گئے واللہ
سر خم کئے تابوت پہ فرزند کھڑے تھے
اور گرد لنوں میں فاطمہؑ کے ہاتھ پڑے تھے

کہتے تھے علیؑ فاطمہؑ کے مُردے سے یہ باتیں بس فاطمہؑ بس ہو چکی بیٹوں سے ملاقات
فرزندوں کی گردن سے جدا کیجئے اب ہات رخصت بھی ہو اب زندوں کا اور مردے کا کیا ساتھ
ملنے میں مسافر کے یہ دیری نہیں ہوتی
میت سے صدا آتی تھی سیری نہیں ہوتی

مرثیہ نمبر ۷

انہدام جنت البقیع

جانِ نبیؐ و خاصۂ داور ہے فاطمہؑ کچھ شک نہیں شفیعۂ محشر ہے فاطمہؑ
سبطینِ ذی وقار کی مادر ہے فاطمہؑ افسوس آج بیکس و بے پر ہے فاطمہؑ
جنّت میں چین ہوگا کیونکر رسولؐ کو
توڑا ہے نجدیوں نے مزارِ بتولؐ کو

دن آج ہی کا تھا یہ قیامت ہوئی بپا تاریخ آٹھویں تھی مہینہ یہی تو تھا
آعدا نے ڈھا دیا لحد بنتِ مصطفیٰؐ حیرت ہے کیوں جہاں میں وہ محشر ہوا بپا
نازلِ عذاب اُن پہ الٰہی شتاب ہو
بے دینِ قومِ نجد کا خانہ خراب ہو

زندہ رہیں تو باپ کو رونے نہیں دیا محروم جائدادِ محمدؐ سے کر دیا
دروازہ گر ایا تو محسنؑ کی قضا پہلو شکستہ ہو گیا ظلم ایسا کچھ کیا
راحت نہ دی حیات میں بنتِ رسولؐ کو
مسمار آج کر دیا قبرِ بتولؑ کو

اللہ کوئی پوچھنے والا ذرا نہیں قبروں میں بھی تو چین سے آل عباؑ نہیں
اس ظلم کی خدا کی قسم انتہا نہیں حیرت ہے آسمان یہ کیوں پھٹ پڑا نہیں

جس کی نہیں نظیر ہے ایسا ستم کیا
ان نجدیوں نے کعبۂ ایماں کو ڈھا دیا

اے قبر سیدہؑ تری حرمت کے میں نثار اے قبر سیدہؑ تری عزت کے میں نثار
اے قبر سیدہؑ تری عظمت کے میں نثار اے قبر سیدہؑ تری عزت کے میں نثار

آعدا نے مرتبہ ترا جانا نہ حیف ہے
اقوالِ مصطفےٰؐ کو کبھی نہ مانا حیف ہے

عباسؑ نامدار مدینے کو جلد آؤ! مولا خدا کے واسطے دیری نہ اب لگاؤ!
آعدا کو ذوالفقار کا جلدی مزہ چکھاؤ ان نجدیوں کو زور ید اللہ کا دکھاؤ

توہین کی ہے آپ کی ماں کے مزار کی
لعنت ہو اہل نجد پہ پروردگار کی

مولا ظہور کیجئے ترحم کا ہے مقام واللہ انتظار تمہارا ہے صبح و شام
افسوس ہے کہ آئیں نہ جانیں ہماری کام پرسہ کو یا امام زماں آئے ہیں غلام

توہین کی لعینوں نے احمدؐ کی آل کی
ڈھایا لحد کو فاطمہؑ خوش خصال کی

مرثیہ نمبر ۸

انہدام جنت البقیع

اے چرخ تیرے ظلم کی کچھ انتہا نہیں یہ سچ ہے کی کسی سے بھی تو نے وفا نہیں
لیکن بتا دے کیا تجھے خوفِ خدا نہیں یا فاطمہؑ سے بھی تجھے شرم و حیا نہیں
زہراؑ کی قبر نجدیوں نے حیف ڈھا دیا
سچ تو یہ ہے کہ کعبۂ ایماں گرا دیا

کعبہ کو ڈھایا مرقدِ زہراؑ جو ڈھا دیا کعبہ نہیں تھا عرش خدا تھا گرا دیا
یہ ظلم وہ ہے جس کی نہیں کوئی انتہا پروردگار عصمتِ زہراؑ کا واسطا
نازل بلا ہو ان پہ کوئی آسمان سے
جلدی مٹا دے نجدیوں کو تو جہان سے

جانِ رسولؐ خاصۂ داور وہ فاطمہؑ شوہر ہے جس کا ساقیٔ کوثر وہ فاطمہؑ
شبیرؑ و مجتبیٰؑ کی جو مادر، وہ فاطمہؑ پہلو پہ جس کے ہائے گرا در وہ فاطمہ
تلوار اور پہلو سے زہراؑ ہزار حیف
پشتِ مبارک آپ کی در سے ہزار حیف

تھیں پانچ سال کی کہ خدیجہؑ نے کی قضا مادر کا سایہ سر سے اٹھا وا محمداہ
اٹھارہویں برس میں پدر سے ہوئی جدا جھیلیں مصیبتیں وہ نہیں جس کی انتہا
زندہ رہیں تو باپ کو رونا نہیں ملا
بعدِ رسولؐ چین سے سونا نہیں ملا

بیت الحزن کو جاتی تھیں زہراؑ پکار کے افسوس اس جگہ کو بھی امت نے ڈھا دیا
سایہ میں بیٹھنا بھی گوارہ نہیں ہوا یہ قدر فاطمہؑ کی ہوئی وا محمداہ
کیسا کروں بیان جو ظلم و ستم ہوئے
باہر شما سے ہیں وہ رنج و الم ہوئے

کیوں مومنو کلیجہ تمھارا نہ منہ کو آئے دروازہ فاطمہؑ کے شکم پر گرایا ہائے
صدمے سے جسکے حضرت محسنؑ وفات پائے یہ سیدہؑ نے باپ کی امت سے دکھ اٹھائے
عالم میں اس طرح سے کسی پر جفا نہ ہو
مظلومہ فاطمہؑ سی کوئی یا خدا نہ ہو

سنتے ہیں مومنو تو کرتا ہوں میں بیان بربادیٔ قبور آئمہ کی داستان
قبر حسنؑ پہ باندھی ہیں اعدا نے بکریاں اونٹوں کو لیکے جاتے ہیں ہر وقت ساربان
کی شرم کچھ خدا سے نہ اس کے رسولؐ سے
اللہ سمجھے جلد یہ قوم جہول سے

رنج والم کی دل پہ گریں کیوں نہ بجلیاں — مسجد علیؑ کی گوشت کی دیوار کا الاماں
قبر خدیجہؑ پر تو برستی ہیں گولیاں — اس واسطے کہ فاطمہؑ زہراؑ کی تھی یہ ماں
اُمّت نے خوب قدرِ رسالت مآب کی
قبریں بھی اہلبیتؑ کی ہے ہے خراب کی

جی چاہتا ہے کاٹ کے مر جائیں خود گلا — مولد نبیؐ کا ہو گیا افسوس مرزبلا
کس مُنھ سے یہ کہوں کہ ہوئے ظلم اور کیا — قبر بتولؑ پاک کو کچرے سے بھر دیا
کچرے میں روز آگ لگاتے ہیں حیف ہے
بنتِ نبیؐ کی قبر جلاتے ہیں حیف ہے

یارو بتاؤ ظلم کی کچھ انتہا بھی ہے — اُمّت کو آہ پاس رسولِ خدا بھی ہے
بڑھکر کوئی جہان میں اس سے جفا بھی ہے — قبروں میں حیف آگ لگانا روا بھی ہے
حق کی قسم نہ رحم سے یا شاہ کام لو
یا مصطفےٰ لحد سے اُٹھو انتقام لو

ہم دیکھیں قبر فاطمہؑ مٹ جائے حیف ہے — زہراؑ کی قبر آگ سے جل جائے حیف ہے
شیعوں کو سُنکے بات یہ چین آئے حیف ہے — مومن گلا نہ کاٹ کے مر جائے حیف ہے
دھو لیں یہ ہاتھ جینے سے ان کا یہ کام ہے
سادات کو تو دہر میں رہنا حرام ہے

مرثیہ نمبر ۹

شہادت حضرت امام حسنؑ

جسم حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے جگر ہوا
سیپارہ دل کا آہ سے زیر و زبر ہوا
سم کا جو روئے پاک پہ ظاہر اثر ہوا
حال اس امام پاک پہ اس دم دیگر ہوا
راحت میں فرق اور شکم میں خلل ہوا
کٹ کر کلیجہ طشت کے اندر نکل پڑا

دوڑیں جناب زینبؑ بیکس برہنہ پا
دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰؑ
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا
ہے ہے بہن نثار ہو بھائی یہ کیا ہوا
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا!
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا!

تکیہ لگا رہے تھے حرم جو ادھر اُدھر
بازو کو تھام لیتی تھی کوئی تو کوئی سر
فرمایا لاؤ طشت، ہوا زہر کا اثر
رہ رہ کے کوئی کاٹتا ہے تیغ سے جگر
بڑھتا تھا جبکہ درد جگر میں امام کے
جھکتے تھے بار بار کلیجہ کو تھام کے

زینبؑ نے جلد لا کے رکھا سامنے لگن ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سرورِ زمن
آئی جو قے تو کانِ جواہر بنا دہن الماس کھا کے لعل اگلنے لگے حسنؑ

رنگِ زمردی کا اثر اب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب عیاں ہوا

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو تھا دمبدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حال زار سناؤ حسینؑ کو ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو

کہدو کہ جلد آئے رحلت کا وقت ہے
سُن جائیے کچھ آکے وصیت کا وقت ہے

آئے حسینؑ اتنے میں با چشمِ اشکبار چلاتے تھے کہ آپکی غربت کے میں نثار
شبّرؑ گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار میں تم پہ صدقے اے مرے نانا کے یادگار

مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت پہ روئیں گے

بھیّا تمہاری گود میں نکلے گا میرا دم تم دو گے ہم کو غسل و کفن جب مریں گے ہم
ہوگا تمہارے پاس نہ کوئی بجز الم قاتل سرہانے ہوئیگا یا خنجرِ ستم

شبّرؑ تو بعد مرگ بھی راحت سے سوئیگا
لاشہ تمہارا گھوڑوں سے پامال ہوئے گا!

بولے کٹورہ لے کے حسینؑ فلک جناب — دیکھوں تو پی کے میں بھی کہ کس طرح کا ہے آب
بھائی سے لپٹی دوڑ کے زینبؑ جگر کباب — پکڑا حسنؑ نے دست برادر بصد شتاب

جلدی سے پی نہ لیں یہ قلق تھا امام پہ
اِک ہاتھ تھا کلیجہ پہ اک ہاتھ جام پہ

برپا تھا اہلبیتؑ پیمبرؐ میں شور و شین — بہنیں پچھاڑیں خاک پہ کھاتی تھیں کروٹیں
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسینؑ — اب اُٹھ گیا زمانے سے ہم سکینوں کا چین

دل اب ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
باپ آج ہم سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

غسل و کفن امام کو جب دے چکے امام — اور جمع ہو چکے در دولت پہ خاص و عام
جِلدم اُٹھا جنازۂ شہزادۂ انام — کرتے تھے انبیائے اولوالعزم اہتمام

تھے شیثؑ ہاتھ نوحؑ چاک گریباں کیے ہوئے
الیاسؑ و خضرؑ حال پریشاں کیے ہوئے

تابوت پر جو تیر لگے آ کے ناگہاں — آمادۂ نبرد ہوئے شاہ انس و جاں
آئی ندائے غیب کہ یا شاہ دو جہاں — سر پیٹتی ہے فاطمہؑ زہرا بصد فغاں

جنبش میں اس الم سے پیمبرؐ کی قبر ہے
اے شیر حق کے شیر یہ ہنگام صبر ہے

واں دی کسی نے زینبؑ بیکس کو یہ خبر — چلتے ہیں تیر ظلم حسنؑ کے جنازے پر
تیغیں کھینچی ہیں غیظ میں ہیں شاہ بحر و بر — یہ سُنکے پیٹنے لگی ہاتھوں سے اپنا سر
چلائی گھر سے مضطرب الحال جاتی ہوں
قبر نبیؐ پہ کھولے ہوئے بال جاتی ہوں

زخمی نہ ہو کہیں پسر ضیغم الٰہ! — ہم بیکسوں کا اب وہی وارث وہی ہے شاہ
اِک بھائی کو تو قتل کیا دشمنوں نے آہ! — کچھ اُن پہ بن گئی تو یہ گھر ہو گیا تباہ
اَب تو حسنؑ سے تا بہ قیامت جُدائی ہے
ہے ہے یہی جہاں میں مرا ایک بھائی ہے

رو کر بیان یہ کرتی تھی ہاں زینبِ حزیں — واں لے گئے بقیع میں تابوت شاہ دیں
مہر سپہر دیں ہوا پنہاں تہ زمیں — رو یا لپٹ کے قبر سے زہراؑ کا نانہ میں
محشر بپا تھا نالہ و فریاد و آہ سے
ہفتاد تیر نکلے تھے تابوت شاہ سے

مرثیہ نمبر ۱۰

شہادت حضرت امام حسنؑ

مسجد میں قتل جب شہ خیبر شکن ہوئے
زینت دہِ سریر امامت حسنؑ ہوئے

سبطِ رسولؐ جب کہ امامِ زمن ہوئے
ممنونِ فیضِ عام سے سب مرد و زن ہوئے

چرچا تھا خوبیوں کا فلک سے زمیں تلک
خُلقِ حسنؑ کا شور تھا عرشِ بریں تلک

اخبارِ صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اسما تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں

اُس کی طرف سے رہتے تھے مولا جو بدگماں
کہتے تھے لوگ اس کا بتا دیجئے نشاں

فرماتے تھے گریز نہیں ہے حمامات سے
قطعِ حیات ہے شدنی اس کے ہاتھ سے

آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہِ نامدار
شہد و رطب میں زہر دیا اُس نے تین بار

دردِ شکم سے رہتے تھے نالاں و بے قرار
سو سو طرح کے رنج تھے اور ایک جان زار

کیا بیکسی تھی راحتِ جانِ بتولؑ پر
جا جا کے لوٹتے تھے مزارِ رسولؐ پر

مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح و شام گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام
یثرب میں اِک مکان تھا بنا کردہ امام منظور ہو گیا شبِ رحلت وہیں مقام

رشکِ بہشت و غیرتِ باغِ جناں ہوا
اُس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا

وہ سبطِ مصطفےٰ کی شہادت کی رات تھی آفت کی رات تھی وہ مصیبت کی رات تھی
عالم کے بادشاہ کی رحلت کی رات تھی زہراؑ و مرتضیٰ پہ قیامت کی رات تھی

گزری قلق میں فاطمہؑ کے نورِ عین کو
ہجرِ حسنؑ میں نیند نہ آئی حسینؑ کو

پڑھ کر نمازِ شب کو جو سوئے شہِ اُمم اسمانے پھر ملا دیا پانی میں آ کے سم
زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بصد الم بھیا ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم

رقت یہ تھی کہ اشکوں سے تر روئے پاک تھا
محبوبِ کبریاؑ کا گریبان چاک تھا

نانا گلے لگا کے یہ کہتے تھے بار بار اے سبطِ غیبِ حسنؑ میں ترے نثار
پھرتے تھے میرے گرد علیؑ کو نہ تھا قرار اماں بلائیں لے لے کے کرتی تھیں مجھ کو پیار

پوچھا جو میں نے آپ کا کیوں رنگ زرد ہے
رو کر کہا کہ آج کلیجے میں درد ہے

فرمایا یہ حسنؑ نے اور اٹھایا زمیں سے جام　　پایا درست اُس کو تھا جو مُہر کا مُقام
تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ کام　　دوڑو بہن کہ کام ہمارا ہوا تمام
یہ کہتے تھے کہ زرد رُخ پاک ہو گیا
چلّاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا

دوڑیں جنابِ زینبؑ بیکس برہنہ پا　　دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰؑ
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مُبتلا　　ہے ہے بہن نثار ہو بھیّا یہ کیا ہوا
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا

بولے اِمام آہ نہیں طاقتِ سخن　　جس کی کوئی دوا نہیں وہ درد ہے بہن
لپٹی گلے سے بھائی کے رو کر وہ خستہ تن　　یہ بیقرار تھے کہ سنبھلتے نہ تھے حسنؑ
در آیا تھا جو زہر جگر میں امام کے
جھکتے تھے بار بار کلیجے کو تھام کے

تکئے لگا دیئے تھے حرم نے اِدھر اُدھر　　بازو کو کوئی تھامتی تھی اور کوئی سر
فرمایا طشت لاؤ ہوا زہر کارگر　　رہ رہ کے کاٹتا ہے کوئی تیغ سے جگر
سینے سے مُنھ میں ٹکڑے کلیجے کے آتے ہیں
نانا بلا گئے تھے سو دُنیا سے جاتے ہیں

زینبؑ نے جلد لا کے رکھا سامنے لگن — ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سر و رِ زمن
آئی جو قے تو کانِ جواہر بنا دہن — الماس کھا کے لعل اگلنے لگے حسنؑ

رنگِ زمردی کا سبب سب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب بیاں ہوا

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو — تھا دم بدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حالِ زار سناؤ حسینؑ کو — ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو

کہدو کہ جلد آئیے یہ رحلت کا وقت ہے
سن جائیے کچھ آ کے وصیت کا وقت ہے

فضہ نے جا کے دی شہ ذیجاہ کو خبر — دارِ فنا سے آپ کے بھائی کا ہے سفر
دوڑے حسینؑ چاک گریبان برہنہ سر — دیکھا تڑپ رہے ہیں شہنشاہِ بحر و بر

گرنے لگے زمیں پہ جگر غم سے پھٹ گیا
پھیلا کے ہاتھ بھائی سے بھائی لپٹ گیا

دکھلا کے طشتِ بنتِ علیؑ نے کیا مقال — قربان جاؤں دیکھو یہ ہے مجتبیٰؐ کا حال
اُمّید اب نہیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال — فریاد ہے تباہ ہوئی مصطفیٰؐ کی آل

اک آن درد سے نہیں بھائی سنبھلتے ہیں
رہ رہ کے اب کلیجے کے ٹکڑے نکلتے ہیں

بھائی کا حال دیکھ کے اُٹھا جگر میں درد لوٹے زمین پہ گر کے بھری گیسوؤں میں گرد
تر تھا بدن پسینے میں اور ہاتھ پاؤں سرد اُن کا تو رنگ سبز تھا اور ان کا رنگ زرد
رعشہ تھا تن میں آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے
جُھک جُھک کے مُنہ کو بھائی کے قدموں سے ملتے تھے

ہر دم لپٹ کے بھائی سے با چشم اشکبار چلاتے تھے کہ آپ کی غربت کے میں نثار
شبّرؑ گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار میں تجھ پہ صدقے اے مرے نانا کی یادگار
مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت میں روئیں گے

یہ کہتے تھے کہ غش ہوئے شاہِ فلک جناب غمگین تو تھے حسینؑ ہوا اور اضطراب
حاضر تھی رُوح احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ وا تھے برنگِ دیدۂ نرگس جناں کے باب
تشریف خُلد کو شہ ذی جاہ لے گئے
جدّ و پدر جو آئے تھے ہمراہ لے گئے

برپا تھا اہل بیت محمدؐ میں شور و شین بہنیں بچھاڑیں خاک پہ کھاتی تھیں کروٹیں بین
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسینؑ اب اُٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین
بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
باپ آج ہم سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

مرثیہ نمبر ۱۱

مدینہ سے قافلۂ امام حسینؑ کا سفر

فرزند پیمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے | سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے | گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گل رو صفت غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورت گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہر سفر سرو قبا پوش | عمامے سروں پہ ہیں عبائیں بسر و دوش
یاران وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش | حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
منھ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

عباسؑ کا منھ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ | اب آنکھوں سے چھپ جائیگی تصویر یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ | واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلق حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عون و محمد کے ہیں ہمسن کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن

تم حضرت شبیرؑ کے سایہ میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہمیں ہے شاہ نے ہم جائیں نہ کیونکر ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کیلئے لوگ چلے آتے ہیں باہم ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم غل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبی کے
روضہ پہ اداسی ہے رسول عربی کے

حاضر در دولت پہ ہیں سب یاور و انصار کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار چلاتے ہیں دربان کہ کوئی آئے نہ خبردار

ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوٹ پڑی ہے
پردے کی قناتیں لئے فراش کھڑے ہیں

عورات محلہ چلی آتی ہیں بصد غم — کہتی ہیں آج دن رحلت زہرا سے نہیں کم
پُرسے کیطرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم — فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صف ماتم

غُل ہوتا ہے ہر سمت جُدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

لے لے کے بلائیں یہی سب کہتی ہیں تقریر — اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مسلمؑ کا خط آنے تو کریں کوچ کی تدبیر

للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے کہ ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں — کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں
کوفہ کی بھی خلقت تو نہیں صاحب ایماں — بی بی یہ مدینہ کی تباہی کا ہے ساماں

اک ایک شقی دشمن اولاد علیؑ ہے
شمشیر ستم واں سر حیدرؑ پہ چلی ہے

اِن بیبیوں سے کہتی تھیں یہ شاہ کی ہمشیر — بہنوں ہمیں یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر — یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ

مجکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جُدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہ عادل
تیار ہیں دروازہ پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگو کہ بس اب روئے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

رخصت کو ابھی قبر پیمبر پہ ہے جانا
کیا جانئے پھر ہو کہ نہ ہو ئے مرا آنا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا
اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لئے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

سنکر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری
میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری
بے کس کے لئے کرتے ہیں سب گریہ زاری

اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اسے لیجاؤں سفر میں

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو | اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو | آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں وہی آئے ہیں مریجاں | جو کہنا ہو کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو ادھر روتے ہیں بی بی شہ ذیشاں | صغرا نے کہا اُنکی محبت کے میں قرباں

وہ کونسا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو کیا مجھ سے جدا ہوتے ہیں بابا

شبیر کا منھ تکنے لگی بالوئے مغموم! | صغرا کے لئے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم | پردہ رہا اب کیا تمھیں خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

لُو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام | جنگل میں نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام | دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام

صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار | سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار | اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں مت سلار ہیں اکبرؑ | اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر | وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

پاس آنکے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر | کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھ کے وہ دلگیر | محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اٹھا لے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخسار و لب سبز کے نکلنے کے میں صدقے | تلوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے | افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

مرثیہ نمبر ۱۲

مدینہ سے قافلۂ امام حسینؑ کا سفر

جب کوچ کی شب قبر نبی پر کہ گئے شبیرؑ
رخصت کو مع آل پیمبرؐ گئے شبیرؑ
قندیل جو روشن کی تو غش کر گئے شبیرؑ
زینبؑ نے یہ جانا کہ بس اب مر گئے شبیرؑ
تھی غش میں ندا ہم اسی حسرت میں مریں گے
اب روضے کی روشنی اس قبر پہ کاہے کو کریں گے

اے نانا کے روضے مرا گھر ہوتا ہے ویراں
اے قبر حسینؑ آج کی شب ہے ترا مہماں
کل صبح مری آخری منزل کا ہے ساماں
کل روح مرے نانا کی ہوویگی پریشاں
اے قبر میں دکھ پاؤں گا پردیس میں جا کر
تو شق ہو تو نانا سے لپٹ جاؤں میں آ کر

اے قبر میں کیسا ترے صاحب کا ہوں پیارا
سجدے میں مجھے لُٹ سے اپنے نہ اُتارا
اب زانوئے جلّاد ہے اور سینہ ہمارا
سُنیو کہ مجاور ترا پیاسا گیا مارا
تیری تو ملاقات کی یہ رات ہے باقی
پھر گردن و خنجر کی ملاقات ہے باقی

پھر ہاتھ اُٹھا کر یہ سوئے قبلہ سُنایا | اس قبر کے صاحب کی قسم تجکو خدایا
وہ صبر مجھے دے جو کسی نے نہ ہو پایا | نانا کہیں اس نے مری اُمّت کو بچایا
وہ حِلم عطا کر تو حسینؑ ابن علیؑ کو
سب مجھکو ستائیں نہ ستاؤں میں کسی کو

دُنیا سے اُٹھوں پاک میں اے خالقِ سبحاں | محشر میں مرا ہاتھ ہو اور شمر کا داماں
کوئی ترے شبّیر کا پکڑے نہ گریباں | ہوں داد طلب حشر میں بیکس مری اماں
گردن پہ مری مظلمہ ہو سے نہ کسی کا
باقی رہے اُمّت پہ قصاص آل نبیؐ کا

اصغر کو لئے رنمیں میں روتا ہوا جاؤں | لیکن ترے دربار میں ہنستا ہوا آؤں
اُمّت جو ستائے مجھے میں رنج نہ کھاؤں | نفرین نہ کروں بد نہ کہوں لب نہ ہلاؤں
اصغرؑ کو جو پانی نہ دیں میں کچھ نہ سناؤں
اکبر کو جو بسمل کریں میں ان کو دُعا دوں

چھوٹے کئی بیٹے ہیں مرے ساتھ چلے آہ | مر جائیں اگر رستہ میں یہ دھوپ سے ناگاہ
بے دفن انھیں چھوڑ کے مقتل کی میں لوں راہ | آئی یہ ندا عرش سے کیا حوصلہ ہے واہ
شبّیر تجھے کام ہے خوشنودیٔ رب سے
رُتبہ تجھے ہم دینگے سوا تیری طلب سے

شبیر نے سر شکر کے سجدہ میں جھکایا | اور پہلوئے مرقد میں مصلے کو بچھایا
سوئے جو عبادت میں تو نانا نظر آیا | تا ناف انھیں قبر سے نکلا ہوا پایا
دیکھا کہ گلے ملنے کے ارمان بڑے ہیں
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو مرقد میں کھڑے ہیں

شبیر نے سر نانا کی چھاتی سے لگایا | رو کر کہا جس دن سے اٹھا آپ کا سایا
بابا کی قسم چین نہ ہم نے کہیں پایا | اب لے چلو ساتھ اپنے کہ امت نے ستایا
جانے دو سفر میں نہ مجھے چھوڑ دو وطن میں
ہم تم رہیں اک قبر میں اور ایک کفن میں

وہ بولے کہ کیا وعدہ وفا کر چکے شبیرؑ | سر کو مری امت پہ فدا کر چکے شبیرؑ
کیا لاشۂ اکبرؑ پہ بکا کر چکے شبیرؑ | نعشِ کے تلے شکرِ خدا کر چکے شبیرؑ
کیا اونٹ سے لاشہ پہ ترے گر چکی زینبؑ
کیا کوفہ میں سر کھولے ہوئے پھر چکی زینبؑ

کیا ہاتھوں پہ تیرے علی اصغر گئے مارے | کیا لٹ گیا گھر اور جلے خیمے بھی سارے
شبیر یہ سب شرطیں ہیں آنے میں تمھارے | کیا یہ کلمہ گو نہیں تم کو مرے پیارے
گر حلق کو کٹوا چکے ہو آؤ مری جاں
امت کو جو بخشا چکے ہو آؤ مری جاں

روکر ہوئے بیدار شہ کرب و بلائی | زینب نے حضور آن کے یہ بات سنائی
نانا سے جو تم کہتے تھے میں سنتی تھی بھائی | سر پیٹتی اماں بھی مرے خواب میں آئی
بابا کو بہت آنسو بہاتے ہوئے دیکھا
شبّر کو بھی ہاں خاک اڑاتے ہوئے دیکھا

روضہ میں نبی زادیوں نے شور مچایا | جب نوحہ کیا قبر پیمبرؐ کو ہلایا
تب گرد لحد بانو نے اصغر کو پھرایا | اور قبر سے معصوم کے ماتھے کو لگایا
کہتی تھی کہ اب موت کے گھر چلتے ہو گھر سے
اب گھٹنیوں پھر لو کہ پھرو گے نہ سفر سے

روضہ میں پیمبرؐ کے تو یہ حشر تھا برپا | باہر سے بھی رونے کی صدا کچھ ہوئی پیدا
سیدانیاں چلائیں کہ یہ نوحہ ہے کس کا | بانو نے کہا کوئی نہیں ہوتو ہو صغرا
روتی ہے وہی صاف مرے دل کو خبر ہے
وہ تپ میں ہے اور اس کے مسیحا کا سفر ہے

شہ بولے یہاں کیوں نہیں آتی ہو وہ کیا ہے | فضہؑ نے کہا روضہ کا در بند کیا ہے
بیٹھی ہوئی دروازہ پہ مشغول بکا ہے | اور قبر پیمبرؐ کی طرف کو یہ صدا ہے
اے نانا اٹھو قبر سے امداد کی خاطر
سب ملنے کو آئے ہیں میں فریاد کی خاطر

بیمار مجھے چھوڑے ہوئے جاتے ہیں بابا
کل سے مرے حجرے میں نہیں آتے ہیں بابا
میں سامنے آتی ہوں تو شرماتے ہیں بابا
سب کیلئے اسواریاں منگواتے ہیں بابا
صغرا کو حوالے کئے جاتے ہیں اجل کے
انصاف کرو قبر منوّر سے نکل کے

یہ کہتی تھی صغرا کہ ہوئے صبح کے آثار
عباسؑ سے شہ بولے کہ اسواری ہے تیار
اونٹوں پہ قرینے سے چڑھے عترت اطہار
زینب رہے محمل میں سکینہ سے خبردار
چھوٹوں کے نگہبان رہیں جو سن میں بڑے ہیں
دروازے سے صغرا نے کہا ہم بھی کھڑے ہیں

عباسؑ نے کی عرض کہ اے دلبر زہراؑ
جاؤں کہاں دربند کئے روتی ہے صغرا
آکر عقب در یہ پکارے شہ والا
اے عاشق بابا ترے قربان یہ بابا
منزل کا حرج ہوئے گا لو کھولو در کو
قربان کرو نانا کی اُمّت پہ پدر کو

وہ بولی نہیں ہم تو نہیں کھولیں گے در کو
بے میرے بھلا جائیے تو آپ سفر کو
ماں نے کہا بی بی نہ کرو تنگ پدر کو
صغرا نے کہا آہ نکل جاؤں کدھر کو
کیا میرے لئے اُٹھ گیا انصاف جہاں سے
دیکھو جسے ہے یہی کہتا ہے زباں سے

غش ہو گئے صغرا کے بیان پر شہ ذیشاں روضہ میں ہوا شور قیامت سے دو چنداں
صغرا نے بھی در کھولدیا ہو کے پریشاں بابا کی بلائیں لیں کہا رو کے میں قرباں
صدمہ تمھیں ہوتا ہے میں اب کچھ نہ کہونگی
لو ہوش میں آؤ میں مدینہ میں رہوں گی

سوز

تمھارے سجدوں کو کعبہ سلام کہتا ہے ادب سے گنبدِ خضرا سلام کہتا ہے
لہو میں ڈوبے صحرا سلام کہتا ہے تمہاری پیاس کو دریا سلام کہتا ہے
حسینؑ تم کو زمانہ سلام کہتا ہے

حقیقتوں کی تجلّی ابھارنے والے دلوں میں جلوۂ وحدت اتارنے والے
لہو سے دینِ خدا کو سنوارنے والے گلا کٹا کے خدا کو پکارنے والے
وہ دیکھو عرش کا پردہ سلام کہتا ہے

مرثیہ نمبر ۱۳

مدینہ سے امام حسینؑ کے قافلہ کی روانگی

گھر سے جب بہر سفر سیّد عالم نکلے
سر جھکائے ہوئے با دیدۂ پرنم نکلے

خویش و فرزند پرا باندھ کے باہم نکلے
رو کے فرمایا کہ اس شہر سے اب ہم نکلے

رات سے گریۂ زہرا کی صدا آتی ہے
دیکھیں قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے

رُخ کیا شہ نے سوئے قبر شہنشاہ انام
بہر تسلیم جھکے متصل باب سلام

اذن پا کر جو گئے قبر کے نزدیک امام
عرض کی آیا ہے آج آخری رخصت کو غلام

یہ مکاں ہم سے اب اے شاہ زمن چھٹتا ہے
آج حضرت کے نواسے سے وطن چھٹتا ہے

چین سب ہیں گھر و نیمیں ہمیں ملتا نہیں چین
سخت آفت میں پھنسا آپ کا یہ نور العین

ٹکڑے دل ہوتا ہے جب روکے حرم کرتے ہیں بین
ننھے بچوں کو بھلا لیکے کدھر جائے حسینؑ

شہر میں چین نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھئے قبر مسافر کو کہاں ملتی ہے

یہ دن ہیں کہ پرند بھی نہیں چھوڑتے گھر | مجھ کو درپیش ہے ان روز و نمیں آفت کا سفر
ساتھ بچوں کا ہے اے بادشہ جن و بشر | ہے کہیں قتل کا ساماں کہیں لٹ جانے کا ڈر
تنگ جینے سے ہوں پاس اپنے بلا لو نانا!
اپنی تربت میں لو اسے کو چھپا لو نانا

یہ بیاں کر کے جو لعوند سے لپٹے سرور | یوں ہلی قبر کہ تھرّائی ضریح انور
آئی تربت سے یہ آواز حبیب داور | تیری غربت کے میں صدقے مرے مظلوم پسر
کوئی سمجھا نہ مری گود کا پالا تجھ کو
ہائے اعدا نے مدینہ سے نکالا تجھ کو

کئی دن سے تری مادر کو نہیں قبر میں چین | آئی تھی شب کو مرے پاس کرتی ہوئی بین
گھر مرا لٹتا ہے فریاد رسول الثقلین | صبح کو اپنا وطن چھوڑ کے جاتا ہے حسین
کہنے آئی ہوں کہ منھ قبر سے موڑونگی میں
اپنے بچے کو اکیلا تو نہ چھوڑوں گی میں

سن کے یہ شہ نے کیا آخری رخصت کا سلام | نکلے روتے ہوئے اس روضۂ انور سے امام
شہ سے زینبؑ نے یہ اٹھ کر کیا دو رو کے کلام | قبر پر ماں کی مجھے لے چلو یا شاہ انام
جی میں ارمان ہے کہ دل کھول کے دم بھر رو لوں
ماں کی تربت سے پھر اک بار لپٹ کر رو لوں

ماں کی تُربت پہ گئے شاہ بچشمِ خونبار | اُتری محمل سے بصد آہ و فغاں زینب زار
دوڑ کر قبر سے لپٹے جو امام ابرار | ہاتھ زہرا کے نکل آئے لحد سے اکبار
آئی آواز نہ رو رو دل پر قلق ہوتا ہے
قبر ہلتی ہے کلیجہ مرا شق ہوتا ہے

شہ پکارے کہ خدا حافظ و ناصر اماں | آپ سے ہوتا ہے رخصت یہ مسافر اماں
مدّتِ زیست کوئی دم میں ہے آخر اماں | اب نہیں آنے کا ہو یہاں پھر اماں
سمجھے تھے ہم لحد میں ایک ہی جا ہوویں گی
کیا قیامت ہے کہ قبریں بھی جدا ہوویں گی

تھی عجب طرح کی اُسوقت قیامت برپا | گردنِ شاہ میں تھے دستِ جنابِ زہراؑ
اور بصد درد یہی قبر سے آتی تھی صدا | اے مرے بیکس و مظلوم یہ ماں تجھ پہ فدا
تڑپے صدمے سے نہ کیوں روح ہماری بیٹا
چھوٹے تجھ سے ہو مری تربت کو میں پیاری بیٹا

جب تم آتے تھے زیارت کو قریب مدفن | میرے کانوں کو خوش آتی تھی تری صوت حسن
ہاتھ تعویز پہ رکھتے تھے جو اے غنچہ دہن | میں سمجھتی تھی کہ ہے قبر میں شمع روشن
ہائے وہ فاتحہ با دیدۂ گریاں پڑھنا
یاد آئے گا ترا لحن سے قرآں پڑھنا

بولی زینبؑ کہ اس آواز کے بیٹی قرباں | میرے بھائی پہ عجب وقت پڑا ہے اس آں
یہ سفر خوف کا اور ساتھ نہیں کچھ ساماں | کئی لڑکے تو عزیزوں کے ہیں اور چند جواں

جس کے خط آئے ہیں وہ قوم دغا پیشہ ہے
مارے جائیں نہ مسافر یہی اندیشہ ہے

آئی زہراؑ کی صدا اے مری پیاری زینبؑ | کیا کہوں میں جو مری روح پہ ہے رنج و تعب
میرے بدلے مرے شبیر کے تو ساتھ ہے اب | کام آنا یہ مصیبت میں گرفتار ہو جب

واری اماںؑ نہ کسی دکھ میں کنارا کرنا
اپنے پیاروں کو نہ اس پیارے سے پیارا کرنا

یہ وہ ہے جس پہ محمدؐ نے پسر کو وارا | کوئی بابا کو نہ تھا اس سے زیادہ پیارا
یہی دنیا میں ہے اب عرش خدا کا تارا | اس مرے چاند سے روشن ہے زمانہ سارا

اس سے لڑنے کے لئے لشکر شام آئے گا
وہی پیارا ہے مجھے اس کے جو کام آئے گا

یاں بلاؤ اسے عباس دلاور ہے کدھر | وہ فدا ہے مرے پیارے پہ میں صدقے اس پر
شکم غیر سے ہے کوئی وہ میرا ہے پسر | یہ صدا سنکے برادر کو پکارے سرورؑ

اپنے رہوار کو آگے نہ بڑھاؤ بھائیؑ
یاد فرماتی ہیں اماںؑ ادھر آؤ بھائیؑ

آکے عباسؑ نے سر رکھدیا پائین مزار | آئی آواز کہ زہراؑ ترے ہاتھوں کے نثار
اپنے پیارے کے برابر میں مجھے کرتی ہوں پیار | دھیان بھائی کی حفاظت کا رہے اے دلدار
کوئی غربت میں اُسے مار نہ ڈالے بیٹا
میرا شبیرؑ ہے اب تیرے حوالے بیٹا

رو کے عباسؑ نے کی عرض کہ ہوں میں لائق غلام | میرے آقا مرے مالک ہیں شہ عرش مقام
مجھ سے ادنیٰ پہ یہ الطاف یہ شفقت یہ کلام | شہ کی خدمت مرا شیوہ ہے غلامی مرا کام
زن و فرزند بھی قربان ہیں گھر صدقے ہے
شاہ کے نقش قدم پر مرا سر صدقے ہے

بولے شبیرؑ کہ یہ اہل وفا ہے اماں | میں فدا اس پہ ہوں یہ مجھ پہ فدا ہے اماں
اس کے دم سے مرے جینے کا مزا ہے اماں | یہ برادر مجھے بیٹوں سے سوا ہے اماں
خلق میں حیدرِ کرار کا ثانی ہے یہ
پاس شبیرؑ کے بابا کی نشانی ہے یہ

یہ بیاں کر کے چلے واں سے شہ کون و مکاں | بیکسی چہرے پہ چھائی تھی آنسو تھے رواں
لوگ سر پیٹ کے اُس دم ہوئے یوں گریہ کناں | پیچھے تابوت کے جس طرح سے ہو شور و فغاں
غُل تھا اے سیّد ذیجاہ خدا کو سونپا
اے مدینہ کے شہنشاہ خدا کو سونپا

ذات شبیرؑ کی تھی رحمت ربّ باری | کون اب دکھ میں غریبوں کی کرے گا یاری
فیض کس گھر سے مدینہ میں رہے گا جاری | پائینگے کس کی دعاؤں سے شفا آزاری
شہر سے سایۂ الطاف خدا جاتا ہے
مشکلیں باقی ہیں اور عقدہ کشا جاتا ہے

غول رانڈوں کے یہ چلّاتے تھے کھولے ہوئے سر | اے غریبوں کے مددگار یتیموں کے پدر
آپ تو کرتے ہیں یثرب سے مہینوں کا سفر | کون ہم رانڈوں کی لیویگا مصیبت میں خبر
کون بن باپ کے بچوں پہ ترس کھائیگا
کون چھپ چھپ کے طعام اب ہمیں پہنچائیگا

سوز

حق کی شکست فتنۂ باطل مٹا گئی | خیموں کی آگ قصر حکومت جلا گئی
ہستی وفا کی مٹ کے زمانے پہ چھا گئی | پیاسوں کی نیند دین کی دنیا جگا گئی
ناکامیوں کے بھیس میں ہر کام ہو گیا
اسلام کربلا میں پھر اسلام ہو گیا

مرثیہ نمبر ۱۴

شہادت حضرت مسلمؑ

کوفہ میں جو پابند بلا ہو گئے مسلم
اور مورد بیداد جفا ہو گئے مسلم
بچوں سے بھی غربت میں جدا ہو گئے مسلم
ان صدموں سے مشتاق قضا ہو گئے مسلم
ہر روز مسافر کے لئے دربدری ہے
ہر شام کو عمر ان کی چراغ سحری ہے

وارد ہوئے ناگاہ درِ طوعہ پہ شتابی
تسبیح بکف ذکرِ خدا میں تھی وہ در پہ
حضرت نے کہا خشک زباں اپنی دکھا کر
نذرِ پسرِ فاطمہؑ اک پانی کا ساغر
احسان کر اللہ و پیمبر کا تصدق
پانی دے مجھے ساقیٔ کوثر کا تصدق

طوعہ گئی اور جام لبالب دیا لا کر
حضرت نے پیا بیٹھ کے دروازہ کے اوپر
پھر کوزہ کو دیکھ کے بولیں آئی مکرر
دیکھا کہ ہیں بیٹھے ہوئے زینہ پہ دو سر
طوعہ نے کہا شہر میں کیا گھر نہیں رکھتا
یاں گھر نہیں رکھتا کوئی یا در نہیں رکھتا

یہ سُنتے ہی طوعہ سے یہ کہنے لگے رو کر گھر ہوتا تو ہم کاہے کو یوں بیٹھتے در پر
یہاں میرے لئے فکر کسے ہوگی خواہر نہ زیب ہے نہ بالو ہے نہ زوجہ ہے نہ دختر
شبّیر جدا مجھ سے ہیں عبّاسؑ جدا ہیں
اک ہم تن تنہا یہاں محبوس بلا ہیں

حیرت ہوئی طوعہ کو یہ بولی وہ حق آگاہ شبّیر ترا کون ہے اے بندۂ اللہ
رو کر کہا سرا رہ میں آقا ہیں شہنشاہ وہ بولی کہ کیا آیا تھا مسلمؑ کے تو ہمراہ
شرما کے کہا وہ وطن آوارہ میں ہی ہوں
مسلمؑ جسے کہتے ہیں وہ بیچارہ میں ہی ہوں

تا کہ پسر طوعہ نے یہ تذکرہ سُن پائے کی فکر شقی نے کہیں گھر بار نہ لٹ جائے
کچھ شب تھی کہ حاکم کو خبر اس نے یہ دی ہائے مسلم ہے میرے گھر میں کوئی جائے پکڑ لائے
حاکم نے کہا اب تو کمر باندھ کے جائے
ہاں صبح نہ پیدا ہو کہ مسلم کا سر آئے

لشکر کی ہوئی خانۂ طوعہ پہ چڑھائی مسلم نے یہاں جائے نماز اپنی اُٹھائی
ہمسائیوں کو طوعہ نے یہ آواز سنائی مہمان میرا مر نے کو جاتا ہے دُہائی
گھر طوعہ کا گھیرا گیا مہمان کی خاطر
چوگرد ا نبوہ ہے اک جان کی خاطر

اے شیعو مسافر کی مدد کرنے کو آؤ　　اے مومنو حیدرؑ کے بھتیجے کو بچاؤ
قرآن کو دو بیچ میں سوگند بھی کھاؤ　　یہ کعبہ کو پھر جائے گا لشکر کو ہٹاؤ
یہ حیدرؑ کرار کے بھائی کا خلف ہے
شہر اس کا بھی مکّہ ہے مدینہ ہے نجف ہے

کب سُنتے تھے طوعہ کی دُہائی وہ جفاکار　　مظلوم پہ بیکس پہ برسنے لگی تلوار
پر دبدبہ یہ تھا کہ نہ پاس آتے تھے کفّار　　آخر کو دغا سے یہ پکارے وہ ستمگار
پھر لڑنا ذرا پوچھ لو بھائی کی خبر کو
وہ ناقہ سوار آیا ہے یثرب سے ادھر کو

مدّت سے سُنا تھا جو نہ حال شہ والا　　یہ سُنتے ہی بیساختہ تلوار کو روکا
پر مُنہ کے پھراتے ہی اجل نے کیا حملہ　　برچھی تو کلیجے میں تھی برچھی میں کلیجہ
مُنہ سوئے نجف کر کے کہا اپنے خدا سے
مظلوم بھتیجے کو تیرے مارا دغا سے

القصّہ کہ حاکم نے حضور اپنے بُلایا　　وہ کلمۂ سخت ان کو ستمگر نے سُنایا
جس نے لحد احمدؐ مرسل کو ہلایا　　مُسلم نے ملا ہاتھوں کو رونا بہت آیا
حاکم نے کہا قبر میں بھی ہاتھ ملے گا
اب خنجر بیداد مرا تجھ پہ چلے گا

حمران کے فرزند سے حاکم ہوا گویا اب دیر نہ کر بام پہ مسلمؑ کو تو لے جا
لڈکا دے درِ کوفہ میں سر کاٹ کے اس کا اور بام سے بالائے زمیں پھینک دے لاشہ
ہاں باندھ کے پھر لاش کے پاؤں میں رسن کو
تشہیر کرو مسلمؑ آوارہ وطن کو!

جلاّد نے تب بازوئے مسلمؑ کو لیا تھام ساتھ اس کے غریبی سے چلے مسلمؑ ناکام
اس زینے پہ معراج شہادت ملی ہر گام اور بام پہ آکر ہوئے خورشید لب بام
جب بیٹھے تھے مسلم وہاں صمصام کے نیچے
تھی خلق تماشے کو کھڑی بام کے نیچے

اس طرح سے شبیرؑ کو مسلمؑ یہ پکارے کعبے میں ہو یا راہ میں صدقے ہیں تمہارے
اب کٹتا ہے سر لوگ تماشائی ہیں سارے دیکھو میرے آقا میرے حرمت کے نظارے
اعجاز سے پردے میری آنکھوں سے اٹھاؤ
یا سبطِ نبیؐ آخری دیدار دکھاؤ

کعبہ سے اسی روز روانہ ہوئے شاہ مسلمؑ تو لب گور تھے شبیرؑ سر راہ
جبرئیل نے کوفہ کی زمیں سے کہا ناگاہ ہاں حکم خدا ہے تو بلند اتنی ہو واللہ
مسلمؑ شہ مظلوم کی تصویر کو دیکھے
شبیرؑ اسے دیکھے یہ شبیرؑ کو دیکھے

کوفہ کی زمیں سرِ رفعت کیا پیدا پر ساری زمینوں پہ ہوا زلزلہ پیدا
چلنے سے رُکا راہ میں اسپ شہ والا اور تھم گئے سب معۂ شترِ ثانیٔ زہراؑ

ہاتف نے ندا دی پیغمبر کے خلف کو
یا سبطِ نبیؐ دیکھئے کوفہ کی طرف کو

کوفہ کی طرف شاہ نے چہرے کو پھرایا سیدانیوں نے محملوں سے پردہ اُٹھایا
اللہ نے مسلمؑ کا جمال اُن کو دکھایا بیٹھا ہوا تلوار کے نیچے انھیں پایا

پیہم تھی نظاروں میں صدا ہائے اسی کی
یاں فاطمہؑ روتی ہے وہاں رُوحِ علیؑ کی

چہروں پہ طمانچے حرمِ شہ نے لگائے ملنے کیلئے ہاتھ رقیہ نے بڑھائے
چلائی کہ لو اماں وہ بابا نظر آئے سب کہتے تھے بابا نے وہاں شہر بسائے

نے فرش پہ نے سایۂ دیوار کے نیچے
بابا تو میرے بیٹھے ہیں تلوار کے نیچے

کیا روتے ہو لوگو میرے بابا کو پکارو لیجا کے رقیہ کو پدر پر کوئی وارو
زینب پھوپھی اشتر سے مجھے جلد اتارو یا حضرت عباسؑ حمایت کو سدھارو

بھیّا علی اکبرؑ یہ بہن تیری بلا لے
لونڈی ہوں میں تیری میرے بابا کو بچا لے

شبیرؑ پکارے تیرا بابا ہے بہت دُور پر خالقِ مختار کو اب یہ ہوا منظور
قاتل سے وہاں کہنے لگے مسلم رنجور حسرت میری پوری ہوئی اے ظالم مقہور
اب کاٹ لے سر کو یہی مرنے کا مزا ہے
آقا میرا اس وقت مجھے دیکھ رہا ہے

قاتل نے لگائی سرِ مسلمؑ پہ جو شمشیر سر کٹ کے پکارا میں فدائے سرِ شبیرؑ
کوٹھے سے گرایا جو تنِ مسلمؑ دلگیر یا حیدرِ کرار کہا اور رہی تکبیر
قطرے تو گرے خون کے دامانِ علیؑ میں
سر گود میں زہراؑ کے تن آغوشِ علیؑ میں

سر پٹنے کی جا ہے گرا جبکہ وہ لاشہ موجود تھے حاکم کی طرف سے وہاں اعدا
میں کیا کہوں ایک ایک نے دی لاش کو ایذا پھر لاش کے پاؤں میں غرض رسی کو باندھا
پہلے اُسے دربارِ ستمگار میں لائے
پھر کھینچتے ہر کوچہ و بازار میں لائے

اس لاش کو کوچوں میں پھراتے تھے وہ بدخواہ رونے کی فرشتوں کی صدا آتی تھی واللہ
اِک بی بی بھی پوشیدہ تھی اُس لاش کے ہمراہ چلاتی تھی یا ولدی یا ولدی آہ!
جب پوچھتا تھا کوئی کہ یہ کیسی صدا ہے
کہتی تھی زمیں فاطمہؑ مشغولِ بکا ہے

مرثیہ نمبر ۱۵

شہادت حضرت مسلمؑ

انسان کے لئے موت ہے غم بیوطنی کا جانکاہ ہے اندوہ والم بیوطنی کا
صدمہ نہیں کچھ موت سے کم بے وطنی کا آفت ہے قیامت ہے ستم بے وطنی کا
کانٹوں کے الم سیدؑ سجادؑ سے پوچھو
ایذائے سفر مسلمؑ ناشاد سے پوچھو

کی سخت دغا کوفیوں نے گھر میں بلا کے سب چھپ گئے جن لوگوں کے دعوے تھے وفا کے
لاکھوں ہیں عدو جائیں کدھر جان بچا کے آفت میں گرفتار ہوئے کوفے میں آ کے
یاور نہیں ہمدم نہیں غمخوار نہیں ہے
نرغے میں ہیں اور کوئی مددگار نہیں ہے

ہیں سنگدل ایسے وہ جفاکار و ستمگر کوٹھوں سے لگے لگنے مظلوم پہ پتھر
نورانی بدن ہو گیا مجروح سراسر اور سامنے سے منہ پہ لگا ظلم کا خنجر
کیوں گر نہ پڑا ہائے فلک کھٹ کے زمیں پر
لعل لب جاں بخش گرے کٹ کے زمیں پر

منہ کر کے سوئے چرخ کہا شکر خدایا — راحت ہے یہ بندے نے جو کچھ ظلم اٹھایا
غم یہ ہے کہ ہے دور ید اللہ کا جایا! — شبیرؑ کے ہاتھوں سے کفن ہم نے نہ پایا

دنیا سے سوئے خلد کوئی دم میں سفر ہے
یاں ہم پہ جو کچھ بن گئی کیا اُن کو خبر ہے

یہ کہتے تھے مسلمؑ کہ لعینوں نے قضا را — اک سنگ ستم اُس لبِ مجروح پہ مارا
ریش اور گریباں میں لہو بھر گیا سارا — جب حال یہ پہنچا تو کہاں جنگ کا یارا

اعدا سے کہا دل میں ذرا رحم کو جا دو
غش آتا ہے پانی مجھے تھوڑا سا پلا دو

کب سنتے تھے سب کاسخن ظلم کے بانی — تھے قتل کی تدبیر میں وہ دشمنِ جانی
لے آئی ضعیفہ وہیں اک جام میں پانی — قسمت نے مگر بجھنے نہ دی تشنہ دہانی

سوکھی ہوئی تھی گل سی زباں خشک گلو تھا
اُس پانی کو منہ سے جو لگایا تو لہو تھا

پھینکا اُسے جب خاک پہ با دیدۂ گریاں — اک جام ضعیفہ نے دیا پھر انھیں اُس آں
پینے بھی نہ پایا تھا کوئی گھونٹ وہ ذلشیاں — پانی میں جدا ہو کے گرے گوہرِ دنداں

فرمایا کہ ثابت ہوا پیاسے ہی مرینگے
اب ساقیٔ کوثر ہمیں سیراب کرینگے

دشمن تو کئی سو تھے یہ بے یار و مددگار برچھی کبھی پڑتی تھی کبھی پڑتی تھی تلوار
اندوہ پہ اندوہ تھے آزار پہ آزار کس یاس سے اک اک کا منہ تکتے تھے ہر بار
بازو کو ستمگار جو باندھے تھے رسن سے
فوارۂ خوں چھٹتا تھا ہر زخم بدن سے

القصہ لب بام جو لایا انھیں سفاک تر ہو گیا آنسوؤں سے مسلمؑ کا رخ پاک
فریاد سوئے کعبہ یہ کی با دل غم ناک روحی لفداک اے سپہ سید لولاک
کرتا ہے سفر خلق سے غمخوار تمہارا
موقوف ہے اب حشر پہ دیدار تمہارا

فرما کے یہ گردن طرف قبلہ جھکائی شمشیر جفا کار نے چمکا کے اٹھائی
آواز یہ مخدومۂ کونین کی آئی! مرتا ہے ہر اول مرے بچہ کا دہائی
اس ظلم سے باز آ جو خدا کا تجھے ڈر ہے
ظالم سر مسلمؑ پہ مرا ہاتھ سپر ہے

میرے لئے کم حشر کے دن سے یہ نہیں دن تربت سے میں نکلی ہوں لئے لاشۂ محسنؑ
مظلوم کو تو قتل تو کرتا ہے ولیکن بن باپ کے ہو جائیں گے بچے کئی کمسن
خوں سر پہ نہ لے چھوڑ دے آوارہ وطن کو
کر رانڈ نہ عباسؑ دلاور کی بہن کو!!!

زہراؑ نے کئی بار تڑپ کر یہ پکارا　　کیا دل تھا کہ مطلق نہ ڈرا وہ ستم آرا
ظالم نے کئی ضرب میں سر تن سے اتارا　　پھٹتا ہے جگر اب نہیں گویائی کا یارا

لکھا ہے چلا لے کے جو قاتل سر مسلمؑ
کوٹھے کے تلے پھینکدیا پیکر مسلمؑ

سب زخم بدن پھٹ گئے مقتول جفا کے　　اک چوٹ لگی دل پہ رسولؐ دوسرا کے
آغوش میں حیدرؑ نے لیا لاش کو آ کے　　یہ بین کئے فاطمہؑ نے اشک بہا کے

اے بے وطن اے صابر و شاکر ترے صدقے
ہے ہے مرے مظلوم مسافر ترے صدقے

مسلمؑ تری شرمندۂ احساں ہوئی زہراؑ　　مسلمؑ تری اس لاش کے قرباں ہوئی زہراؑ
مسلمؑ ترے مر جانے سے نالاں ہوئی زہراؑ　　ماتم میں ترے چاک گریباں ہوئی زہراؑ

غمگیں ہوں دل افگار ہوں مجروح جگر ہوں
تو بے کفن و گور ہے میں بھی کھلے سر ہوں

بیکس کی وصیت بھی بجا لائے نہ گمراہ　　فرما گئے تھے دفن مجھے کیجیو للہ!
سو اس کے عوض لاشہ کو تشہیر کیا آہ　　لٹکا دیا پھر لا کے در قلعہ پہ ناگاہ

صدمے جو سہے الفت شاہ مدنی میں
سیدؔ کو یہ معراج ہوئی بے وطنی میں

مرثیہ نمبر ۱۶

شہادت پسران حضرت مسلمؑ

پردیس میں مسلمؑ کے یتیموں پہ جفا ہے — دریا پہ پئے قتل علمدار کے چلا ہے
چھوٹا تو بڑے بھائی کا منہ دیکھ رہا ہے — زور اس کو مدد کا نہیں مشغولِ بکا ہے
بیرحم کے قابو میں ہیں دو نازوں کے پالے
ہر سو نگراں ہیں کہ کوئی آ کے بچا لے

چھوٹے کو بڑا بھائی ہے بڑھ بڑھ کے بچاتا — ہر بار ہے مصحف کی طرح بیچ میں آتا
رو دیتا ہے کچھ کہنے کا موقع نہیں پاتا — بے ساختہ اک بات زباں پر ہے یہ لاتا
سن حال غریبوں کا خدا کے لئے دم لے
اب ہم ترے گھر میں کبھی آئیں تو قسم لے

کچھ گھر میں ترے چین نہیں پایا ہے ایسا — توڑا ہے فقط پانی سے فاقہ کئی دن کا
خود آئے نہیں کی تری زوجہ نے تمنّا — حجرے میں نمازیں ہیں پڑھیں اور کیا کیا
ہم بچے ہیں تو اپنی بزرگی پہ عمل کر
تقصیر جو کچھ ہم سے ہوئی ہو وہ بحل کر

یہ جرم ہے بن پوچھے جو آئے ہیں ترے گھر — حجرے میں رہے شب کو بھی بیدار برابر
کرتے پھٹے گیسو کھینچے تیلی لگی ہم پر — تکلیف بہت دے چکا اب چھوڑ ستمگر
جنگل میں کہیں بیٹھ کے ہم روئیں گے ظالم
منھ کر کے ترے گھر کو نہ اب سوئیں گے ظالم

سنتا نہ تھا مظلوموں کی اک بات ستمگر — دیتے تھے ندا زوجۂ حارث کو یہ بڑھ کر
یہ جانتے تو ہم کبھی آتے نہ ترے گھر — مہمانوں کو اپنے تو بچاتی نہیں مادر
چھڑوا دے کہ پکڑے ہوئے ہے زلفوں کو عدو ہے
آماں نہیں بابا نہیں جو کچھ ہے سو تو ہے

بالوں کو بکھیرے ہوئے وہ مومنہ تھی ساتھ — مظلوموں کو ظالم سے چھڑاتی تھی وہ خوش ذات
کہتی تھی خدا کے لئے کیا کرتا ہے بدذات — گہہ پاؤں پہ سر رکھتی تھی گہ باندھتی تھی ہاتھ
بس بس کہ زمیں اب تو ہلی جاتی ہے ظالم
زہراؑ ترے سر ننگے نظر آتی ہے ظالم

وہ بولا سر ان دونوں کے لے جائیں گے جب ہم — دیگا دو ہزار ابن زیاد اس گھڑی درہم
وہ بولی اگر طالبِ دولت ہے تو اظلم — لے فاطمہؑ کے نام پہ میں بکتی ہوں اس دم
اس دولتِ کم کیلئے پھرتا ہے خدا سے
درہم دو ہزار اور یہ حیدرؑ کے نواسے

ظالم نے تہہ تیغ کیا زوجہ کو اُس آں یا فاطمہؑ کہہ کر ہوئی زہراؑ پہ وہ قرباں
دریا پہ عدو لایا انھیں پکڑے گریباں دی تیغ غلامِ حبشی کو وہاں عریاں

غصّے سے کہا دونوں کو انگلی سے دکھا کر
ہاں کاٹ لے سر اون کے کنارے پہ تو جا کر

تلوار کو چمکا کے بڑھا وہ حبشی آہ! یہ تیغ تلے سر کو جھکائے ہوئے ہمراہ
لکھا ہے کہ تھا وہ حبشی مردِ حق آگاہ رستے میں خطاب اُس سے کیا دونوں نے ناگاہ

ہمشکل بلالِ شہ لولاک کا تو ہے
سچ کہہ کہ پیمبرؐ کا محب ہے کہ عدو ہے

وہ بولا نبیؐ پہ سے فدا ہوں بدل و جاں چپکے سے کہا دونوں نے اب ہم ہوئے حیراں
عترت کا تو قاتل ہے نبیؐ پہ سے ہے قرباں وہ بولا پیمبرؐ کے عزیزوں میں ہو تم ہاں

تقصیر ہوئی توبہ! یہ پہلے نہ سُنا تھا
حارث کا بُرا ہو تجھے واقف نہ کیا تھا

پھر غصّے سے حارث کی طرف پھینکدی تلوار بے وار لگائے ہی وہ در کے یا ہوا پار
حارث نے کہا ہو گیا آقا سے تو بیزار وہ بولا خدا سے تو نہیں پھر گیا زنہار

کیا حکم خدا سے بھی ترا حکم سوا ہے
میں تجھ سے پھرا ہوں کہ خدا تجھ سے پھرا ہے

فرزند کو دی حارثِ ملعون نے تلوار اور بولا کہ سر کاٹ لے ان دونوں کے اکبار
وہ بولا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوگا زنہار یہ تو ہی ہے بدبخت سیہ رو و جفا کار
حارث تو پدر کس کا؟ شقی ازلی ہے
ماں فاطمہؑ ہے مومنوں کی باپ علیؑ ہے

تو کور ہے ظالم نظر آئے تجھے کیونکر لے دیکھ ہنسی روتے ہیں دریا پہ کھلے سر
یہ سنکے اٹھا حارثِ ملعون و ستمگر ظالم نے کہا تجھکو نہیں خوفِ پیمبرؐ
اک تیغ تلے دونوں برادر کو بٹھا کر
سر کاٹا بڑے بھائی کا چھوٹے کو دکھا کر

سر پاس رکھا لاش کو دریا میں بہایا بھائی کے گلے کا جو لہو خاک پہ پایا
الفت سے برادر کا لہو جوش میں آیا تب جوڑ کے ہاتھ اپنے یہ قاتل کو سنایا
پوچھوں یہ لہو کرتے سے تلوار جھکا دے
لوٹوں بڑے بھائی کے لہو میں جو رضا دے

وہ بولا کہ ہو شوق سے غلطاں مجھے کیا ڈر بھائی کے لہو میں وہ لگا لوٹنے گر کر
کہتا تھا بڑے بھائی کہاں ہو نڈے برادر تم تو ابھی بیٹھے ہوئے تھے میرے برابر
کس نے ہی نصیب ایسے الٹتے ہوئے دیکھا
بھائی نے گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا

ناگاہ غضب و طیش سے حارث یہ پکارا — بس لوٹ چکے اٹھو کہ سر کاٹوں تمھارا
اُٹھ بیٹھا کہا جلد گلا کاٹ ہمارا — سر کاٹ کے دریا میں جو تن ڈالا قطارا
مردے نے کہا پورے ہوئے دل کے ارادے
اے ہجر مجھے بھائی کے لاشے سے ملا دے

وہ لاشہ بھی تھا منظر لاشِ برادر — نے غرق ہوا تھا نہ بہا تھا تن بے سر
اللہ کی قدرت سے وہ تھا پانی کے اوپر — اور ہائے اخی کہتا تھا ہر بار تڑپ کر
بہہ کر جو کنارے سے یہ خونیں کفن آیا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو اُس کا بدن آیا

سینہ پہ رکھا سینہ جگر رکھا جگر پر — دو ہاتھ مدینے کی طرف اٹھے برابر
حق سے یہ دعا کی کہ بچے اکبرؑ و اصغرؑ — شبیرؑ کی اب خیر ہو ہم تو ہوئے بے سر
مادر کو بھلا دیجیو اب یاد ہماری
لے لیجیو جلّاد سے تو داد ہماری

مرثیہ نمبر ۱۷

شہادت پسرانِ حضرت مسلمؑ

دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے
ڈوبے ہوئے دو چاند لہو میں نظر آئے
غل پڑ گیا مسلمؑ کے یہ ظلمت جگر آئے
غربت زدہ و بیوطن و بے پدر آئے
شمشیر ستم چل گئی ان نوحہ گروں پر
کیا بیکسی و یاس برستی ہے سروں پر

حاکم سے یہ تب کہنے لگا حارث بدکام
سر بچوں کے لایا ہوں ملے خلعت و انعام
پہچان لے مسلمؑ کے پسر ہیں یہی گلفام
یہ وہ ہیں جو زنداں سے بھاگے تھے سر شام
میں ڈھونڈھتا پھرتا تھا نہ ہاتھ آتے تھے دونوں
پاتے تھے جدھر راہ نکل جاتے تھے دونوں

حاکم نے کہا تو نے کہاں پھر انھیں پایا
تاریکیٔ شب میں نظر آتا نہیں سایا
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لایا
زوجہ نے مری تھا انھیں حجرے میں چھپایا
میں کہتا تھا دل میں کہ کہاں جا کے چھپے ہیں
اس کی نہ خبر تھی مرے گھر آ کے چھپے ہیں

اَز بسکہ تھکا تھا مجھے نیند آگئی اُس دَم کیا دیکھتا ہوں عالم رویا میں بصد غم
اِک حجرے میں دو طفلِ نظر آتے ہیں باہم سر پیٹ کے کہتے ہیں وہ بادیدۂ پُرنم
آفت میں پھنسے ہم در زنداں سے نکل کے
معلوم ہوا پڑ گئے پھندے میں اجل کے

چلّائے جو وہ ہائے پدر کہکے دلِ افگار تھا نیند میں یا آنکھ مری کھل گئی اکبار
خوش ہو گیا میں طالعِ خفتہ ہوئے بیدار بستر سے اُٹھا ہاتھ میں کھینچے ہوئے تلوار
اک حجرے میں مسلمؑ کے وہ پیارے نظر آئے
بالائے زمیں عرش کے تارے نظر آئے

جکڑا جب انھیں میں نے تو کرتے تھے یہ فریاد مہماں ترے گھر آئے ہیں ہم بیکس و ناشاد
بن باپ کے ہیں ہم پہ ترس کھا ستم ایجاد لے منتیں کرتے ہیں تری چھوڑ دے جلّاد
کر رحم کہ معصوم ہیں دُکھ پائے ہیں ظالم
ہم چھپنے کو دامن میں ترے آئے ہیں ظالم

میں نے کہا تم دونوں کے بابا کا ہے کیا نام رو کر کہا کہتے ہیں انھیں مسلم ناکام!
بے جُرم و خطا اُن کے گلے پر چلی صمصام ہم جب سے چھٹے باپ سے ہم کو نہیں آرام
دہشت سے تری سینہ میں دل ہلتے ہیں ظالم
اَب ڈھیلی رسن کر کہ گلے چھلتے ہیں ظالم

یہ سُنتے ہی معصوموں پہ غصّہ مجھے آیا　　حجرے سے انھیں کھینچتا دالان میں لایا
ان دونوں نے جو ظُلم نہ دیکھا تھا دکھایا　　مُجرم کی طرح باندھ دیا رحم نہ کھایا
باہر انھیں لے آیا جو زلفوں کو پکڑ کر
استادہ کیا چوب سے رسّی میں جکڑ کر

جب لے کے چلا گھر سے انھیں قتل کی خاطر　　زوجہ نے یہ کہکر مرے پاؤں پہ رکھا سر
مہماں مرے گھر آئے ہیں یہ دونوں مسافر　　لے اُن کے عوض کاٹ لے سر ہے میرا حاضر
تقصیر جو کچھ ان سے ہوئی ہو وہ بحل کر
ہے ہے مجھے مہمانوں کے مُنھ سے نہ خجل کر

یہ کہہ کے جو بچّوں کو چھڑانے لگی اکبار　　جھنجھلا کے یہ بولا تجھے کیا اس سے سروکار
جا دور ہو کہنا ترا مانوں گا نہ زنہار　　میں قتل کروں گا یہ ہیں حاکم کے گنہگار
اَب حلق سے معصوموں کے شمشیر ملے گی!
سر اُن کے دکھاؤں گا تو جاگیر ملے گی

سمجھا نا وہ ہرگز نہ مرا دھیان میں لائی　　جھنجھلا کے اسے تیغ ستم میں نے لگائی
اِک وار میں ساعد سے گری کٹ کے کلائی　　چلّا کے لگی دینے پیمبرؐ کی دُھائی
ہے ہے مرے آقا مری امداد کو پہونچو
اے شاہِ غریباں مری فریاد کو پہونچو

جب مار چکا اس کو تو معصوموں کو کھینچا　　پکڑے ہوئے زلفیں انھیں لا یا لبِ دریا
رو کر کہا بچوں نے ہمیں قتل نہ کرنا　　مارے گا جو ہم کو ترے کیا ہاتھ لگے گا
بیکس ہیں مسافر ہیں اور آوارہ وطن ہیں
یہ کیا ہے سزا کم کہ گرفتارِ محن ہیں

کر رحم ستمگار غریبی پہ ہماری　　دیدے گا صلہ اس کا تجھے خالق باری
لے آنکھ نہ دکھلا نہیں اب کر نیکے زاری　　چلکر سر بازار ہمیں بیچ لے ناری
بچ جائیں گے ہم خلعت و زر پائیگا ظالم
گر قتل کیا ہم کو تو پچھتائے گا ظالم

یہ سُنکے بڑھا جونہی وہ کھینچے ہوئے تلوار　　پہلو میں برادر کے برادر گرا اکبار
میں چھاتی پہ اک طفل کے آخر ہوا اسوار　　جب حلق پہ بچے کے رکھا خنجر خونخوار
اک حشر بپا ہو گیا خنجر کے چلے پر
بھائی نے گلا رکھدیا بھائی کے گلے پر

کچھ نہ سُنا ہیں نے پھیر دیا خنجر خونخوار　　سر کاٹ لیا رہ گئے روتے وہ دلِ افگار
اور دونوں کے تن پھینک دیئے نہر میں اکبار　　دریا کی تہ آئی سے ہوئے ہاتھ نمودار
سر پیٹتے ہاتھوں سے پیمبرؐ نظر آئے!
آغوش میں مسلمؑ کے وہ دلبر نظر آئے

مرثیہ نمبر ۱۸

آمدِ محرّم!

کیا آمدِ ہلال محرّم کا شور ہے　　ارض و سما میں شیون و ماتم کا شور ہے
فوجِ ملائکہ میں اسی غم کا شور ہے　　برپا ہے حشر دیدۂ پرنم کا شور ہے
سونی ہے قبر فاتحِ بدر و حنین کی
آتی ہے ہر طرف سے صدا شور و شین کی

ہر جا بپا ہے ماتمِ سلطانِ بحر و بر　　کعبہ سیاہ پوش ہے حجّاج نوحہ گر
ہے چاہ میں حسینؑ کے زمزم کی چشم تر　　خم بارِ رنج و غم سے ہے محراب کی کمر
ساماں ہے ماتمِ شہِ عالم پناہ کا
اُٹھتا ہے غُل زمیں سے فریاد و آہ کا

ماتم کہیں یہ ماتمِ یحییٰؑ سے ہے فزوں　　جو اہلِ دیں ہیں ان کا جگر ہو گیا ہے خوں
بارِ الم سے کاہکشاں بھی ہے سرنگوں　　پہنا ہے چرخ پیر نے ملبوسِ نیلگوں!
ہر دل حزیں ہے چشم ہر اک گریہ ناک ہے
محبوبِ کبریاؑ کا گریبان چاک ہے

غمِ شش جہت میں خامسِ آلِ عبا کا ہے
عریاں سرِ جنابِ رسولِ خدا کا ہے
تیغِ الم سے چاک جگر مجتبیٰ کا ہے
غم وادی السلام میں واعز بتا کا ہے

وہ چشم کونسی ہے جو اس غم میں نم نہیں
یہ ماہ کربلا میں قیامت سے کم نہیں

رو لو عزا ے شہ میں کہ درپیش ہے اجل
معلوم کیا ہے آج کہ جیتے رہیں گے کل
اس عمرِ بے ثبات پہ تکیہ ہے بے محل
جائے گا کچھ نہ ساتھ لحد میں بجز عمل

یاں مجلسِ عزا میں جو آنسو بہائیں گے
ان آنسوؤں کی قبر میں لذت اٹھائیں گے

نعمت ہے مومنوں کے لئے مجلسِ عزا
نوحہ کہیں ہے اور کہیں ہوتا ہے مرثیا
سن سن کے حالِ قتل شہِ مشرقین کا
ہوتا ہے شور واحسناہ حسین کا!

دل ٹکڑے ہوتے ہیں شہِ بیکس کے نام سے
روتے ہیں سب لپٹ کے ضریحِ امام سے

اس بزم میں شریکِ رسولِ خدا بھی ہیں
ساتھ ان کے اولیا بھی ہیں اور انبیا بھی ہیں
نالاں پسرِ حال پہ مشکلکشا بھی ہیں
تھامے ہوئے جگر حسنِ مجتبیٰ بھی ہیں

سن سن کے مرثیہ کو یہ رقت جو ہوتی ہے
تم سب کے ساتھ روح آئمہ بھی روتی ہے

یہ دن وہ ہیں کہ کانپتا ہے عرشِ ذوالمنن ماتم سرا ہے فاطمہؑ کو خُلد کا چمن
روتے ہوئے گھروں سے نکلتے ہیں مرد و زن آوارہ دشت و کوہ میں ہیں سرورِ زمن
سیّد پہ یہ وطن پہ عجب ظلم و جور ہے
ابنِ معاویہ کا تہِ چرخِ دَور ہے

یثرب میں خاک اُڑتی ہے بطحا اُداس ہے محبوبِ ذوالجلال کا روضہ اُداس ہے
شبیرؑ ہیں سفر میں مدینہ اُداس ہے گھر سائیں سائیں کرتا ہے صغراؑ اداس ہے
اُمّت پہ شاہ جاتے ہیں قربان ہونے کو
شیرِ الٰہ نکلے ہیں تُربت سے رونے کو

وہ دھوپ ہے کہ جسمیں ہرن سوتے ہیں سیاہ تپتی ہے یوں زمین کہ اللہ کی پناہ
کھیتوں میں خاک اُڑتی ہے اور خشک ہے گیاہ بے سایہ ایسی دھوپ میں ہے فاطمہ کا ماہ
صحرائے پُرخطر ہے نہ دریا نہ بستی ہے
گرمی ہے یا کہ آگ فلک سے برستی ہے

گرمی کی وہ فصل اور مہینوں کا وہ سفر بچّوں کا ساتھ رنج وطن دھوپ کا ضرر
ڈر قتل کا کہیں کہیں لُٹنے کا ہے خطر سب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے سحر
اِک اِک قدم پہ لاکھ طرح کے ہراس ہیں
چہرے بہادرانِ عرب کے اداس ہیں

سہتے ہوئے سفر کی اسیطرح سختیاں جاتے تھے کربلا کو شہنشاہ انس و جاں
جو چرخ پر ہلال محرّم ہوا عیاں حسرت سے دیکھنے لگے شہ سوئے آسماں
معلوم سرِّ حق تھے جو زہراؑ کے لال کو
روئے امام پڑھ کے دعائے ھلال کو

عمامہ رکھ کے ہاتھوں پہ کرنے لگے دعا فرمایا اے رحیم ترے نام کے فدا
اُمیدوارِ لطف و عنایت رہا سدا اب آرزو ہے تیغ سے کٹ جائے یہ گلا
پھر گھر میں اس سفر سے نہ جانا نصیب ہو
مولا تری جناب میں آنا نصیب ہو

حجرے کو آئے شہ کے رفیقانِ ماہرو دیکھا نگاہِ مہر سے حضرت نے چار سو
اکبرؑ پہ جب پڑی نظر شاہ نیک خو برچھی جگر پہ چل گئی دل ہو گیا لہو
موتی سے اشک چاند سے چہرے پہ ڈھل پڑے
زہراؑ کے آفتاب کے آنسو نکل پڑے

رونے پہ شہ کے رونے لگے خویش و اقربا اتنے میں آ کے شاہ سے فضّہ نے یہ کہا
ہے منتظر حضور کی واں بنت مرتضیٰؑ یہ سُنکے آیا خیمہ میں زہراؑ کا مہ لقا
قدموں سے بنتِ شاہ مدینہ لپٹ گئی
تسلیم کر کے شہ سے سکینہؑ لپٹ گئی

زینبؑ بلائیں لیکے ہوئی بھائی پر فدا دی تہنیت ہلال کی اور ہنس کے یہ کہا
قایم رہے جہان میں اقبال آپ کا حضرت ہمارے دل کی بھی بر لائے کبریا

خالق کرے کہ ایسا مبارک یہ ماہ ہو
جو اس مہینے میں مرے اکبرؑ کا بیاہ ہو

اک آہ سرد شہ نے بھری سُنکے یہ سخن گھبرا کے بولی تب وہ اسیرِ غم و محن
کیوں بھائی خیریت تو ہے قربان ہو بہن یہ ماہ کس طرح کا ہے یا سرورِ زمن

جو آپ میری بات پہ مغموم ہوتے ہیں
دیکھا ہے جب سے چاند اُسی دم سے روتے ہیں

بولے بہن سے رو کے یہ سلطان کربلا آنکھوں کے آگے پھرتا ہے سامان کربلا
ہم ہوں گے اس مہینے میں مہمان کربلا سادات سے بسے گا بیابان کربلا

جز گل چمن بنے گا مرے گلعذاروں سے
چمکے گی ارض ماریہ زہراؑ کے تاروں سے

روئیں گے انبیائے سلف اس مہینے میں پیٹیں گے سر کو شاہِ نجف اس مہینے میں
دل چاک ہوں گے مثلِ صدف اس مہینے میں بچوں کی جانیں ہونگی تلف اس مہینے میں

گھر بے چراغ ہوگا جناب بتولؑ کا
ڈوبے گا بحر خوں میں سفینہ رسولؐ کا

مرثیہ نمبر ۱۹

آمد ماہ محرّم

لو اہل عزا پھر الم و غم کے دن آئے — سر پیٹو کہ مظلوم کے ماتم کے دن آئے
پھر آئی قیامت کہ محرم کے دن آئے — پھر فصل عزا شہ عالم کے دن آئے
پھر غم سے بھڑکنے لگی آتش جگروں میں
پھر تعزیے رکھے گئے شیعوں کے گھروں میں

لاکھوں سے بہتر کے لڑائی کے یہ دن ہیں — سادات پہ آفت کے تباہی کے یہ دن ہیں
زینب سے برادر کی جدائی کے یہ دن ہیں — زہرا کے بھرے گھر کے صفائی کے یہ دن ہیں
بیوارثوں سے وارثوں کا ساتھ چھٹا ہے
زہرا کا بھرا گھر انھیں روزوں میں لٹا ہے

اس طرح سے اب راوی صادق نے لکھا ہے — داخل ہوئے جب کرب و بلا میں شہ والا
اسلم ہوئے شبیر رفیقوں سے یہ گویا — اس جا پہ کرو خیمۂ سادات کو برپا
ہر حلق سے یاں خون کا فوارہ چھٹے گا
یہ وہ ہے زمیں جس میں مرا باغ لٹے گا

اُترے فرشِ خاص سے فرما کے یہ سرورؑ اِستادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ!
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور

شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی

داخل ہوئے جب خیموں میں ناموسِ پیمبرؐ کرسی پہ ہوئے جلوہ فگن پھر شہِ صفدر
فرمانے لگے شاہ رفیقوں سے یہ رو کر اے بھائیو اب کہتا ہے یہ دلبر حیدرؑ

پردیس میں ظلم و ستم ایجاد کرینگے
اب حشر تلک ہم اسی صحرا میں رہیں گے

پھر رو کے یہ فرمانے لگے بادلِ مضطر لٹ جائے گا یاں فاطمہؑ زہرا کا بھرا گھر
ترسے گی یہاں پانی کو اولادِ پیمبرؐ پیاسوں کے گلے کاٹیں گے میدان میں ستمگر

گھر لیں گے ستمگار جو روئے گی سکینہؑ
اس دشت میں بن باپ کی ہوئیگی سکینہؑ

لاشے بھی غریبوں کے یہاں ہوئیں گے پامال تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئیگا غربال
اور خون سے سادات کے ہوگی یہ زمیں لال نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرا لال

عاشور کو سر برہنہ سیدانیاں ہوں گی
پیاسوں کی اسی نہر پہ قربانیاں ہونگی

آفت کے مصیبت کے قیامت کے یہ ہیں دن ان روز وہ کیں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
رکھیں گے ہر اتعزیہ ہر شہر کے ساکن! اکبر کو جوان روئیں گے معصوم کو کمسن
بھولیں ہمیں ایسے نہیں غمخوار ہمارے
ہوئیں گے سیاہ پوش عزادار ہمارے

منظور ہمیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی عباس کو روئیں گے جو مرجا گا بھائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی دھیان آئے گا اکبر نے سناں سینہ پہ کھائی
جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے

بھائی سے یہ فرمانے لگے پھر شہ صفدر اے میرے اخی اے پسر ساقیٔ کوثر
عباسؑ یہ اولاد سے کہو جا کر کرتا ہے طلب تم کو جگر بند پیمبرؐ
بھیجا ہے یہاں مجھ کو ولی ابن ولی نے
تم سب کو بلایا ہے حسینؑ ابن علیؑ نے

یہ سنکے روانہ ہوئے عباسؑ علمدار اس بستی کے لوگوں کو بلا لائے پھر اکبار
ہمراہ تھیں سب عورتیں با دیدۂ خونبار اور ساتھ تھے ماں باپ کے اطفال وفادار
غم میں شہ مظلوم کے جاں کھوتے تھے بچے
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے بچے

نزدیک شہ مظلوم جو وہ قافلہ آیا　　سب عورتوں کو شہ نے پسِ پشت بٹھایا
اور دہنی طرف شاہ نے بچوں کو بلایا　　پھر سب منے مردوں کو بلا کر یہ سنایا

تقریر سنو دل سے یہ فرزند علیؑ کی
کچھ تم سے وصیت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی

کہتا ہے یہ تم سے خلفِ ساقیٔ کوثر　　جس روز کہ پھر جائے میرے حلق پہ خنجر
اس روز خبر لیجیو تم سب میری آکر　　اور کھود تا تربت میری از بہر پیمبرؐ

مظلوم سے سیّد سے نہ منہ موڑیو یارو
بے گور میری لاش نہ تم چھوڑیو یارو

ایک اور وصیت یہ تمہیں کرتا ہے شبّیر　　سن لیں اسے سب طفل و زن مرد و جواں پیر
آئیں جو زیارت کو میری زائرِ دلگیر!　　تکلیف نہ دینا اسے ہو کیسی ہی تقصیر

محسن ہو جو دلدارئ مہمان کروگے
مجھ پر بھی پیمبرؐ پہ بھی احسان کروگے

رونے لگے وہ سنتے ہی یہ مسند داد　　کی عرض بجا لائینگے آنکھوں سے یہ ارشاد
ہم جانتے تھے ہوگی زمیں آپ سے آباد　　افسوس کہ گھر فاطمہؑ کا ہوگا برباد

یہ امر ہمارے لئے کیونکر نہ زبوں ہو
افسوس کہ اس بستی میں سادات کا خوں ہو

رونے لگا یہ سُنکے اسد اللہ کا جایا عورات کو پھر سامنے حضرت نے بلایا
جب سامنے وہ آئیں تو رو کر یہ سُنایا اے بی بیو! کہتا ہے یہ اب غم کا ستایا
بیکس ہوں مسافر ہوں میں دلبند نبی ہوں
زہراؑ کا جگر بند ہوں فرزند علیؑ ہوں

مَردوں کو تمہارے جو نہ منظور نظر ہو یعنی کہ انھیں حاکمِ بے رحم کا ڈر ہو
جس وقت تمہیں میری شہادت کی خبر ہو لازم ہے کہ اس آن ہر اک خاک بسر ہو
تم فاطمہؑ کی رُوح کو مغموم نہ رکھنا
ہم کو کفن و گور سے محروم نہ رکھنا

مظلوم کی بیکس کی وصیّت نہ بھلانا سب مِل کے مرے گور غریباں کو بسانا
اے بی بیو! خود ہاتھوں سے لاشوں کو اُٹھانا مظلوم سمجھکر مجھے تُربت میں لٹانا
عُریاں نہ رہیں گی وطن آواروں کی لاشیں
چھپ جائیں گی مٹی میں دل افگاروں کی لاشیں

عورات کو جس وقت وہ یہ حضرت نے سُنایا بیتاب ہوئیں رونے کا اک شور مچایا
چلّاتی تھیں رو رو کے کہ فریاد خُدایا مرقد میں لعینوں نے محمدؐ کو ستایا
دیکھی گئی حالت نہ شہ عرش نشین کی
لیں دُور کھڑے ہو کے بلائیں شہ دیں کی

کہتی تھیں کہ یارب شب والا کو بچانا　　شبیرؑ کے لاشے پہ زینبؑ کو رولانا
ناموسِ شہنشاہ کو بیوہ نہ بنانا　　شہزادیٔ ایراں کو کھلے سر نہ پھرانا
ہوں شادیاں شاہنشہِ خوش ذات کے گھر میں
بچھیں صفیں ماتم کی نہ سادات کے گھر میں

بچوں سے یہ پھر کہنے لگے سیّد ابرار　　اے بچو سنو غور سے یہ درد کی گفتار
کہتا ہے یہ تم سے پسرِ حیدرِ کرار!　　بے جرم و خطا قتل کرینگے ہمیں کفّار
سر تن سے اُتاریں گے جگر بند نبیؐ کا
گھر لوٹیں گے جنگل میں حسینؑ ابن علیؑ کا

ڈر جائیں جو بے دیوں سے ماں باپ تمھارے　　اور گھر میں وہ پوشیدہ رہیں خوف کے مارے
بے خوف چلے آئیو لاشے پہ ہمارے　　بچو ہمیں پہنچائیو تم گور کنارے
تم حاکم بے رحم کا کچھ پاس نہ کرنا
اور دفن میں سادات کے وسواس نہ کرنا

بچو یہ وصیّت نہ مری دل سے بھلانا　　ایک ایک کفِ دست میں تم خاک اٹھانا
اس خاک کو لاشوں پہ غریبوں کی گرانا　　مٹّی میں شہیدوں کے تن زار چھپانا
کام آئیو جان اللہ سمجھ کر
تم دیجیو مٹی ہمیں للّٰہ سمجھ کر!

مرثیہ نمبر ۲۰

قافلۂ امام حسینؑ کی کربلا میں آمد

طے کر چکے حسینؑ جو راہ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہ گردوں رکاب کو
اُلفت جو اُنکی خاک سے تھی اُس جناب کو
اِک عید ہو گئی خلفِ بوتراب کو!
دل مثلِ غنچہ وانکی ہوا کھل کے کھِل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جلنے کا مل گیا

کی سر بوستانِ حسنؑ نے یہ گفتگو
آتی ہے اِس زمیں کے گلوں سے دلہن کی بُو
اکبرؑ یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباسؑ سے کہنے لگے شاہ نیک خو
ہاں کونسی جگہ تمھیں بھائی پسند ہے
اُس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
پانی بھی خوشگوار ہوا بھی ہے معتدل
مولا قدم پکڑتے ہیں کچھ یاں کے آب و گل
بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کے متصل
پانی سے ہاتھ مُنھ کو نہ زنہار دھوئینگے
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئینگے

فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا
موقع ہو جس جگہ وہیں خیمہ کرو بپا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندہ خدا

دو چار دن میں عمر کی مدّت تمام ہے
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

زینبؑ نے جب یہ سرورِ دیں سے سنے کلام
محمل سے یوں پکار رہی کلیجہ کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک دی لگام
بھیّا اِدھر تو آؤ یہ ہے کونسا مقام

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُر خطر میں اُترنا تو قہر ہے

پوچھو کسی سے مسلم مظلوم کی خبر
تربت مرے غریب مسافر کی ہے کدھر
بچوں کے اُس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر
لاشے بہا دیئے اسی دریا میں کھینچ کر

رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
اماں کے پیٹنے کی صدا مجھکو آئی ہے

یوں نہر کی ترائی میں ہے کوئی نوحہ گر
مرتا ہے جس طرح سے کوئی نوجواں پسر
صاف آتی ہے صدا کہ فدا لٹھیہ ہو پدر
یاں سوئے گا تو اے مرے عباسؑ نامور!

وہ سو اس کا مقام ہے جا گہ قلق کی ہے
پہچانتی ہو تم میں یہ صدا شیرِ حق کی ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ لیلۂ شنبہ بن | اُترو یہیں کہ خوف کی جاگہ نہیں یہاں!
یہ نہر علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن! | آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
لے رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
خیمہ یہاں ہو اتھا جناب امیر کا

یہ سُنکے بنت فاطمہؑ نے کی جگر سے آہ | بولیں یہ کربلا ہے تو لو ہم ہوئے تباہ
ہے ہے حسینؑ کو نہ ملے گی کہیں پناہ | ڈوبے گا بحرِ خوں میں دو عالم کا بادشاہ
سر پر اڑاؤ بی بیو اس سرزمیں کی خاک
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمدؐ یہیں کی خاک

اُترے فرس سے حضرت عباسؑ نیکنام | بھلائے اونٹ خیمے کے طنابیں کھینچکر تمام
فرماں چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام | تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آپہونچی فوج شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی

گھوڑے بڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا | بتلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ہٹ جاؤ ابن سعد کے خیمہ کی ہے یہ جا | ڈھونڈو کنوئیں کہیں تمھیں دریا سے کام کیا
گرمی میں بند ہوئے گا پانی امام پر
ہوگا نہ کل ہوا کا گذر اس مقام پر

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوشخصال | غازی کو شیرِ حق کی طرح آگیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھکے یہ بولا علیؑ کا لال | اب یاں سے ہمکو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسماں سمیت اُلٹ دیں زمین کو

گو فوج کم امام دلاور کے ساتھ ہے | روحِ رسول نائبِ حیدرؑ کے ساتھ ہے
عباسؑ سا غلام برادر کے ساتھ ہے | لاکھوں تو لے سکیں نہ یہیں سر کے ساتھ ہے
غصہ کے وقت جان کو نہیں جان سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

یاں سے کہیں رسول کا بیمار نہ جائیگا | ہم وہ نہیں کہ جان کو وار نہ جائیگا
لاشہ بھی اُٹھ کے یاں سے ہمارا نہ جائیگا | مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائیگا
رکھتے ہیں اس زمیں کیلئے سر کو ہاتھ پر
قبضہ ہے تا بہ حشر ہمارا فرات پر

یہ سُنکے کھینچنے لگے تیغوں کو اہلِ شر | عباسؑ نے بھی رکھدیا قبضہ پہ ہاتھ اِدھر
زینبؑ پکاری پیٹ کے محمل سے اپنا سر | بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
للہ شیرِ بیشۂ حیدر کو روکئے
تلواریں کھینچ گئی ہیں برادر کو روکئے

عباسؑ کو یہ بڑھ کے پکارے شہ اُمم | کھینچو نہ تیغ رُوح علیؑ کی تمھیں قسم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانیٔ ستم | خیمہ کریں گے اور کہیں یا سبب جلے کے ہم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرض عین ہو
بیچین ہوں تو ہم ہوں یہ اُمّت کو چین ہو

کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو یہ کیوں ہیں بل | مالک ہو تم تمھارا ہی دریا ہے یہ عمل
ہمّت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل | غصّہ کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
مالو مرا کہا میں تمھارا امام ہوں
غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں

سمعًا و طاعتًا نہیں طاقت کہ دوں جواب | ذرّے کو تاب کیا ہے بھلا پیش آفتاب
بخشی ہے عزّت آپ نے اے آل بو تراب | ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابن بو ترابؑ
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
حکم حضور حکم خدا و رسولؐ ہے!

بندہ ہوں جاں نثار ہوں یا شاہ بحر و بر | مولا عدول حکمی کی کیا تاب کیا جگر
دیدیں اگر ان کو آپ مرے ہاتھ باندھ کر | ہمراہ ہوں غلام کی صورت جھکا کے سر
کر یہ بدی کریں نہ شہ کائنات سے
سر اپنا کاٹ دوں میں ابھی اپنے ہات سے

فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار　　سر میرا تیرے سر پہ تصدّق ہزار بار
ہے ابن فاطمہؑ کی کمر تجھ سے استوار　　بولا وہ باوفا کہ غلامی ہے افتخار
ہاں یہ ملال ہے کہ سر اُن کے کٹے نہیں!
تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں

جس وقت یہ سُنے شہ ذیجاہ سے کلام　　لیا ہوئی سمجھ کے غنیمت سیاہ شام
بھائی کو ساتھ لیکے پھرے سیّد انام　　سر کو جھکا کے رہ گئے عباس نیکنام
کہتے تھے راہ میں کہ نہ وار اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

سوز

اے صبا گلشنِ احمدؐ پہ خزاں کیوں آئی　　گلشن تو شاداب تھے خشکی یہ زباں کیوں آئی
بلبلِ نغمہ سرا نعرہ کناں کیوں آئی　　بادِ سرسر یہ چمن خاک فشاں کیوں آئی
باغیوں نے جو چمن لوٹ لیا زہراؑ کا
کیا اِدھر حق کوئی ثابت نہ ہوا زہراؑ کا

مرثیہ نمبر ۲۱

امام حسینؑ کا کربلا میں ورود

جب بہر پرخیام حسینی بپا ہوئے ذرّے ترائی کے گہر بے بہا ہوئے
رونق فروز خیموں میں آلِ عبا ہوئے کرسی پہ جلوہ گر شہ ارض و سما ہوئے
حرفِ طواف عرش زمیندار ہو گئے
آکر نثار سیّد ابرار ہو گئے

بٹھلا کے پہلوؤں میں انھیں لوں کیا بیاں اے کربلائیو میں تمھارا ہوں مہماں
ظالم مجھے ستاتے ہیں جاتا ہوں میں جہاں بیچو جو یہ زمین تو چندے رہوں یہاں
اب خاک تم عزیز کرو اس غریب کی
سیّد کی بے وطن کی مصیبت نصیب کی

سودا رضا کے ساتھ ہے جور و جفا نہیں بھرّاد رست شرع میں بیع و شرح نہیں
پر اب سوا یہاں کے ٹھکانا مرا نہیں بیچو تو خیر ورنہ مجھے کچھ گلا نہیں
رہنے سے یہاں ہمارے سب آرام پائیں گے
خاکِ شفا تمہاری زمیں کو بنائیں گے

سب نے کہا کہ عُذر ہمیں کیا ہے اے امام حاضر غریب خانے ہیں وہاں کیجئے قیام
پر کربلا کی بیع میں ہے خوف لا کلام ! آزار پاتے آئے ہیں یہاں انبیاء تمام

ابن ابوتراب سے پیاری زمیں نہیں
پر یہ زمین لائقِ سُلطانِ دیں نہیں

پتھر پہ گر کے یہاں سے خلیل خُدا گرا پاؤں تہ صد سنگ کا آدمؑ اُٹھایا گیا
کشتی پہ نوحؑ کی یہاں طوفان آگیا پر سُنتے ہیں کہ آپ کا بابا بچا گیا

شہ بولے سر نوشت میں کیا فرق ہوئے گا
اب یہاں جہاز آلِ نبیؐ غرق ہوئے گا

افضل زمینِ کعبہ سے ہے میری کربلا میں جانتا ہوں اس کا شرف یا مرا خدا
بنے تو دو مزار حسینؑ غریب کا پھر دیکھنا یہ خاک ہے یا نورِ کبریا

یوسفؑ نہ ہوگا پر یہاں بازار آئے گا
زوّار آئیں گے مرا دربار ہوئیگا

دیکھو مرے محبوّ کو تم چین دیجیو مہمان تین دن مرے زائر کو کیجیو
گر اُن سے کچھ قصور ہو بدلا نہ لیجیو پیاسوں کو میرے روئیو جب پانی پیجیو

پانی ابھی تو ملتا ہے زہرا کے جانی کو
پر ساتویں سے ترسیں گے سادات پانی کو

دینار دے کے ساٹھ ہزار اُن سے یہ کہا — میں نے تمھیں یہ بخشی زمیں تم کرو رہا
شبّیرؑ کے معاملے میں سب نے رد دیا — لکھنے لگے قبالہ زمین دار کربلا
غُل پڑ گیا حسینؑ وطن کو نہ جائینگے
لو مول لی زمیں یہیں بستی بسائینگے

مرقوم ہو رہا تھا قبالہ کہ ناگہاں — خیمے سے اک زنِ عربیہ ہوئی عیاں
سر تا قدم نقاب میں سارا بدن نہاں — پر اس پہ بھی حیا سے تڑپتے تھے استخواں
بیتاب ہو کے اُلفتِ اکبرؑ میں آئی تھی
راوی نے یہ لکھا ہے کہ زہراؑ کی جائی تھی

آہستہ اپنے بھائی سے کچھ کان میں کہا — اور جلدی یوں پھری کہ نہ سایہ نظر پڑا
کُرسی سے یہاں تڑپ کے گرے شاہِ کربلا — عباسؑ نے اُٹھ کے کہا ہائے کیا ہوا
کیا کہہ گئی نواسی جناب رسُولؐ کی
موتی کہو قسم تمھیں رُوحِ بتولؑ کی

بولے حسینؑ کہتی تھی مجھ سے وہ خوش کلام — بھیّا قبالے میں مرے اکبرؑ کا ہو وے نام
یعنی کہ اس کی ملک میں ہو یہ زمیں تمام — عباسؑ جاؤ کہدو کہ ناچار ہے امام
اٹھارہ سال کے یہ زمانے سے جائینگے
اک قبر کی جگہ علی اکبرؑ بھی پائینگے

عباسؑ آئے خیمے میں کہنے کو یہ پیام — زینبؑ نے دیکھتے ہی انھیں کیا کلام
کیوں بھائی بات پر مری راضی نہ ہوئے امام — لکھا گیا قبالے میں اکبرؑ کا میرے نام
دولہا بناؤنگی میں دولہن بیاہ کے لاؤنگی
اکبرؑ کے نام کی یہاں بستی بساؤں گی

عباسؑ روئے حسرتِ زینبؑ پہ زار زار — وہ صابرہ بھی رونے لگی ہو کے بے قرار
اور لیں بلائیں بھائی کی گھبرا کے کتنی بار — پوچھا میں صدقے جاؤں کہو کیا ہے ورنہ کار
میں جانتی تھی خوش خبری لے کے آئے ہو
تم ہاتھ دل پہ رکھے ہو گردن جھکائے ہو

شاید مرا سخن ہوا بھائی کو ناگوار — جیتے رہیں حسینؑ کے جتنے ہیں رشتہ دار
عابدؑ کے بھی میں صدقے ہوں اصغرؑ پہ بھی نثار — اکبرؑ کے پالنے سے زیادہ ہے چاہ و پیار
عابدؑ کے نام پر یہ سند کس کو شاق ہے
فضلِ خدا سے بھائیوں میں اتفاق ہے

عباسؑ بولے اس کا تو وہاں ذکر بھی نہیں — ہر عرض ہے حضور کی مقبول شاہ دیں
شہ نے مدینہ کی زائروں کو اپنے یہ زمیں — پھر کیجیو سفارشِ اکبر نہ تم کہیں
بھائی مرے کریم ہیں شرما کے روئینگے
اکبرؑ اسی زمین کے پیوند ہوئیں گے

مرثیہ نمبر ۲۲

نہر سے خیام حسینی کا ہٹانا

جس گھڑی نہر پہ خیمے شہ والا کے ہوئے
اور ستمگار مزاحم لب دریا کے ہوئے
شاہ بر ہم یہ جفا کاروں سے فرما کے ہوئے
دشمن جاں کے مرے سب کھلے بلوا کے ہوئے
تم پیو پانی محمدؐ کا نواسا مر جائے
تمھیں منصف ہو جو مہماں ہو وہ پیاسا مر جائے

خیمے اس جا سے اکھڑوانے کو حاضر ہو نہیں
پر نبی زادہ ہوں سیّد ہوں مسافر ہو نہیں
تربت احمد و زہراؑ کا مجاور ہوں میں
ظلم جو چاہو کرو صابر و شاکر ہو نہیں
دوگے جو رنج مجھے سب ہے گوارا مجھ کو
آپ منظور ہے دریا سے کنارا مجھ کو

میں نہ آتا تھا مدینے سے بلایا تم نے
روضۂ احمد مرسل کو چھڑایا تم نے
کوہ و صحرا بھی یہ دریا بھی دکھایا تم نے
حیف ہے تارک دنیا کو ستایا تم نے
رخ ادھر کو جو کیا میں نے تو منھ موڑتے ہو
ایک دغا پیشہ کے وعدے پہ مجھے چھوڑتے ہو

لوگ تھوڑے سے ہیں کچھ فوج مرے ساتھ نہیں
رنج کی میرے تمہارے تو کوئی بات نہیں

کوئی تقصیر خطا بھی مری اثبات نہیں
جس پہ اصرار ہے وہ جا مبات نہیں

خیمہ اہل حرم کو جو جلایا تو کیا
ایک سیّد کو مسافر کو ستایا تو کیا

طالب دولت دنیا تو میں زنہار نہ تھا
حشمت و جاہ سے کچھ مجھ کو سروکار نہ تھا

میں کسی کے بھی کبھی درپے آزار نہ تھا
بن بلائے ادھر آنے کا طلبگار نہ تھا

نامے لکھ لکھ کے جو بھیجوائے تھے سب لایا ہوں
دیکھ لو بے سر و سامان چلا آیا ہوں!

تم کو اپنا نہ سمجھتا تو ادھر کیوں آتا!
اپنے ناموس کو ہمراہ بھلا کب لاتا

اب تلک کچھ نہیں بگڑا جو اجازت پاتا!
اہل عصمت کو لئے سوئے وطن پھر جاتا

وعدے الطاف و مدارات کے کم ہونے لگے
ابھی آیا ہوں ابھی ظلم و ستم ہونے لگے

رات کا وقت ہے گرمی کے دن جلتے ہیں لو
حال ناموس کا اندیشہ سے ہے نرخ بروں

مائوں کی گودیوں میں سوتے ہیں بچے محزوں
مہلت اک شب کی جو دو سو نہ تھا امنو

نہر سے پانی بھی پینے کو نہ منگواؤں گا
خیمہ کل یاں سے اٹھا کر کہیں لیجاؤں گا

شاہ نے تب بدر رشتی یہ لعینوں نے کہا | مُہلت اِک شب کی بھلا دینے میں نقصان تھا کیا
پر ہمیں حکم ہے دریا سے اُٹھا دینے کا | جو کہ فرمائیگا حاکم اُسے لائیں گے بجا

جلد سامان کرو خیمے کے اُٹھوانے کا
آپ کا عذر کوئی پیش نہیں جانے کا

یاں سے اُٹھنے میں تامّل نہیں بہتر زنہار | جنگ کو فوج کھڑی چار طرف ہے تیار
والیٔ کوفہ نے چن چن کے ہیں بھیجے جرّار | آن کر خیمہ پہ سب ٹوٹ پڑیں گے اکبار

نہ سمجھنا کہ یہ لشکر نہ لڑے گا تم سے
جب بگڑ جائیگی کچھ بن نہ پڑے گا تم سے

آبدیدہ ہو حسینوں سے یہ بولے شبّیر | آپ کے اب تو دکھائے ہمیں جو کچھ تقدیر
کھائیں گے شوق سے تیغ و تبر و خنجر و تیر | پر خدا اس کا ہے عالم کہ میں ہوں بے تقصیر

نہر سے گرمی کے موسم میں اُٹھاتے ہو مجھے
کیا ملیگا تمھیں ناحق جو ستاتے ہو مجھے

بڑھ کے عباس علی عرض کو لے یہ باغیظ و عتاب | کس لئے کرتے ہو تم خانۂ ایماں کو خراب
کیسو کھینچے ہے اس خیمۂ اقدس کی طناب | صاحب خانہ ہے واللہ شہ عرش جناب

لب دریا پہ اُترنے پہ نہ تکرار کرو
خلفِ ساقیٔ کوثر کو نہ بیزار کرو!

ہے یہ دلبند علیؑ دوش محمدؐ کا مکیں | ہمسر اس خرد کونین کا عالم میں نہیں
دیکھ سکتے تھے پیمبرؐ نہ اسے چین جبیں | مالک کوثر و تسنیم ہے یہ کون و مکیں

فخر کی جا ہے جہاں دلبر زہرا پہونچے
نہ کہ جو جان نبیؐ ہو اُسے ایذا پہونچے

تم کو اس نائب حیدر سے ہدایت ہوگی | بیعت اس شاہ کی منشائے رعیت ہوگی
جنگ اس سے جو کروگے تو ضلالت ہوگی! | منحرف ہوگے تو واللہ قیامت ہوگی

کثرت فوج سے یاں کوئی ہراساں نہیں
قتل کچھ ابن یداللہ کا آساں نہیں

تم کو مقدور ہے اتنا کہ اُٹھا دوگے ہمیں | رات کی رات بھی رہنے کو نہ جا دوگے ہمیں
نہر سے پانی نہ پینے کو ذرا دوگے ہمیں | کون سا جرم ہے جسکی یہ سزا دوگے ہمیں

برہمی پر جو مزاج تہہ والا آجائے
جوشش قہر خدا کا ابھی دریا بہ جائے

شاہؑ، عباسؑ کی ان باتوں سے گھبرانے لگے | لاکھ تشویش و تردد کے خیال آنے لگے
دل جو بیتاب ہوا بھائی کو سمجھانے لگے | کس طرف دھیان ہے کیوں غیظ میں بھرّانے لگے

بھائی آؤ ادھر اب کچھ نہ کہو اعدا کو
قرب حق چاہئے بس دور کرو دریا کو

بر چھیاں تانتے ہیں مجھ پہ اگر یہ بد ذات | زلیت سے سیر ہوں یا ہے کسے رکا حیات
اٹھو چلو یاں سے مبارک ہو انھیں نہر فرات | تم مرے سر کی قسم قبضہ پہ ملت کھیوتا

جام کوثر ہمیں حیدرؑ سے ہے لینا بھائی
سلسلہ صبر کا ہاتھوں سے نہ دینا بھائی

عرض عباسؑ نے کی آپ یہ کرتے ہیں کیا | بچے مر جائیں گے پھر پانی نہیں ملنے کا
مار کر ان کو ابھی نہر سے دیتا ہوں ہٹا | چھین سکنے کا نہیں پھر کوئی ہم سے دریا

بولے شہ رنج ہمیں تشنہ دہانی میں نہیں
پیاسے رہنے میں جو لذت ہے وہ پانی میں نہیں

ہاں یہ مذکور تھا واں خیمہ میں تھا یہ چرچا | بر سر جنگ ہیں عباس علیؑ سے اعدا
بانو کہتی تھی کہ یہ اکبر سے کہ جاؤ بیٹا | پاس عمؑ کے رہو دیکھو تو ہوتا ہے کیا

ہے کم بندی رفیقان شہ والا میں
بخت کچھ ہوتی ہے عباسؑ میں اور اعدا میں

کہتی تھی بیٹوں سے اپنے یہ علیؑ کی جائی | کہو بھائی سے بڑی نہر پہ ہے آپائی
تھی اسی واسطے تقدیر یہ ہمیں یاں لائی | اب میں دریا کے کنارے نہ رہونگی بھائی

گفتگو کیا ہے کھڑی ہاتھ نہ کو ملتی ہے بہن
گھر میں آؤ نہیں خیمہ سے نکلتی ہے بہن

سُنکے اُس وقت یہ پُر درد بہن کی تقریر | بولے ہمشکل پیمبرؐ سے جناب شبّیرؑ
پھیر لانے کی کرو اپنے چچا کے تدبیر | کہو ماہ بنی ہاشم سے کہ اے ماہِ منیر
شاق ہے ہم پہ تو اتنی بھی جُدائی بھائی
نہر پر تم نے بڑی دیر لگائی بھائی

شہ سے یہ سُنتے ہی جلدی علی اکبرؑ پہنچے | اور قاسمؑ بھی برادر کے برابر پہنچے
نہر پر شیر کی صورت وہ دلاور پہنچے | متصل جبکہ پیامِ شہ مضطر پہنچے
بولے عباسؑ جو سرور سے رضا پائیں گے
پھر اسی نہر پہ بامشک و علم آئینگے

سوز

تھا حکم یہ یزید کا پانی بشر پئیں | گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
جو تشنہ لب جہان کے ہیں وہ بے خطر پئیں | یہاں تک کہ سب چرند و پرند آن کر پئیں
کافر اگر پئیں تو نہ تم منع کیجیو!
پر فاطمہؑ کے لال کو پانی نہ دیجیو!

مرثیہ نمبر ۲۳

شبِ عاشورہ

کربِ بلا میں سجدہ گذاروں کی رات ہے یہ شب کہ ڈوبتے ہوئے تاروں کی رات ہے
عشرت کدوں میں بادہ گساروں کی رات ہے دنیا ئے رنگ و بو میں نگاروں کی رات ہے
مہلت ملی ہے شب کی امامِ حجاز کو
خیموں میں جا رہے ہیں نمازی نماز کو

بیٹھے تھے اپنے خیمے میں عباسؑ نامدار پھیلے ہوئے تھے سامنے آلاتِ کارزار
تھی سان پر چڑھی ہوئی شمشیرِ آبدار تلواریں تول تول کے رکھتے تھے بار بار
آنکھیں چمک رہی تھیں سنانوں کی تاب میں
منھ دیکھتے تھے فتح کا تیغوں کی آب میں

جو بی بیاں کہ خیمۂ اقدس میں تھیں وہاں کہتی تھیں ان سے دخترِ سردارِ انس و جاں!
ہوتی ہے صبح رات کا پردہ ہے درمیاں کل ہوگا عورتوں کی بھی ہمت کا امتحاں
حیف اُن پہ امتحاں میں جو سرخرو نہ ہوں
میداں میں جن کے دودھ کی دھاریں لہو نہ ہوں

ناگہ اندھیری رات میں چمکا خدا کا نور پردہ اُٹھا کے خیمے کا داخل ہوئے حضور
کہنے لگے بہن سے کہ اے خواہر غیور تم سے اِک امر خاص میں ہے مشورہ ضرور
سُنتی تو ہو گی جو کہ دلوں کی پکار ہے
جادہ ادائے فرض کا خنجر کی دھار ہے

یہ راہ راہِ طوق و رسن بھی ہے لاکلام ممکن یہ ہے کہ تم ہو اسیرِ سیاہِ شام
لیکن اب ابن سعد نے بھیجا ہے یہ پیام بیعت جو کیجئے تو ہو جھگڑا یہ سب تمام
ٹھہرائیے صلاح نہ اہلِ نیاز کی
حاضر ہے پیشکش کو حکومت حجاز کی

رد کر دوں اُس کی بات تو ہے قصہ مختصر کنبہ تباہ ہو گا اُجڑ جائے گا یہ گھر
کٹ جائیں گے کل عصر سے پہلے ہمارے سر میں جانتا ہوں صلح میں ہے عافیت مگر
اِحساس فرض کا ہے اشارہ کہ جنگ ہو
ہے مجھ سے میرے خوں کا تقاضہ کہ جنگ ہو

زینبؑ مرا ضمیر دوراہے پہ ہے کھڑا منزل اُدھر سکوں کی اِدھر راہ ابتلا
اِس کشمکش میں اب ہے تمھاری صلاح کیا سر کو اُٹھا کے دخترِ زہراؑ نے یہ کہا
زینبؑ کے دل کی تھاہ امام زماں نہ لیں
میں آپ کی بہن ہوں مرا امتحاں نہ لیں

عورت ہوں مجھکو گود کی دولت عزیز ہے　　بھائی کی جان ماں کی امانت عزیز ہے
لیکن میں کیا کروں کہ صداقت عزیز ہے　　کنبے کی لاج دین کی عزت عزیز ہے
جھکنے دے میری رائے جو حق کے نشان کو
روئیگا فرض عون و محمدؑ کی جان کو

میں خوش ہوں میرے لال جو گردن کٹا کے آئیں　　ذکر ان کا کیا ہے خون میں قاسمؑ نہا کے آئیں
رن سے جو آپ آئیں تو گھر کو لٹا کے آئیں　　اٹھارہ سال کی مری محنت گنوا کے آئیں
سب ہو پہ حریت کا یہ پرچم اٹھا رہے
عباسؑ کے لہو سے پھریرہ نگا رہے

پھر میرا کیا جب آپ کی گردن پہ سر نہیں　　قربان جاؤں مجھکو اسیری کا ڈر نہیں
وہ ملک کیا بہشت ہے، زنداں اگر نہیں　　آزادیٔ ضمیر کا جس میں گذر نہیں
بہتر رسن گلے میں قیودِ عمل سے ہے
زنجیر اہل فرض کا فرض ازل سے ہے

آئیگا جب وہ وقت تو ہمت کرونگی میں　　ہو کر اسیر آپ کی نصرت کرونگی میں
حق کی قدم قدم پہ اشاعت کرونگی میں　　اعلانِ عام سرِ شہادت کرونگی میں
ہوگا یہ غل کہ ہے یہ اشاعت اصول کی
سر ننگے پھر رہی ہے نواسی رسولؐ کی

مرثیہ نمبر ۲۴

شبِ عاشورہ

عزیزو آج شہادت کی رات آئی ہے حسینؑ امام کی رحلت کی رات آئی ہے
یہ رات روز قیامت کی رات آئی ہے حرم سے شاہ کی رخصت کی رات آئی ہے
نہیں ہے یہ شبِ قتلِ حسینؑ سونے کو
بتولؑ آئی ہیں ہر گھر میں آج رونے کو

کل آسمان و زمین لاکلام رو دیں گے کُلُ اَنبیائے ذوی الاحترام رو دیں گے
بزیرِ عرش ملائکِ تمام رو دیں گے غرض حسینؑ کا لے لے کے نام رو دیں گے
ہماری آج ہوئی ختم آہ و زاری ہے
تو کل جنابِ رسولِ خداؐ کی باری ہے

حسنؑ بھی کل سرِ زانو پہ ہاتھ ماریں گے عمامہ سے سرِ رسولِ خداؐ اتاریں گے
پسر کے نام کو لے لے علیؑ پکاریں گے لبوں سے کرب و بلا صبح کو سدھاریں گے
ہر ایک نبیؐ کو زبس غمِ حسینؑ کا ہوگا
سحر کو قبر پہ ماتم حسینؑ کا ہوگا!

گلے میں فاطمہ زہراؑ کے ہے سیہ پوشاک جناب حضرت زینبؑ کا ہے گریباں چاک
لگی ہے بانوؑ کے چہرے پہ کربلا کی خاک خطاب کرتی ہیں کلثومؑ با دلِ غمناک
ہمارے بھائی کو از بس یہ لوگ روتے ہیں
قسم خدا کی ہم احسان مند ہوتے ہیں

نہیں ہے کیا تمھیں معلوم صبح کیا ہوگا شہید احمدِ مرسل کا لاڈلا ہوگا
تمام اہل حرم کا بھی سر کھلا ہوگا حسینؑ خاک پہ کل بے کفن پڑا ہوگا
سحر کو حالتِ زینبؑ سقیم ہووے گی
سکینہؑ چار برس کی یتیم ہووے گی

برہنہ پا ہوا اسی شب یہ نالہ و فریاد کہ صبح جائیں گے کانٹوں پہ ننگے پا بیٹیاںؑ
سر اپنا کھول کے پیٹو یہ بات کر کے یاد کہ سر برہنہ سحر ہوگی زینبؑ ناشاد
خوشا وہ لوگ کہ جاگیں گے اور روئیں گے
کہ پھر تو حشر تلک زیر خاک سوئیں گے

بدن پہ شاہ کے جو زخم تھے لگے کاری کہ آج ہوئیں گے تازہ وہ زخم یکباری
لہو کفن سے شہیدوں کے ہوئے گا جاری ہمیں بھی آج مقرر ہے گریہ زاری
کہ جتنے بھی گہر اشک چشم پُر نم ہیں
جراحتِ تنِ شبیرؑ کے یہ مرہم ہیں

یہ شب وہ ہے کہ ہر اک دل پہ آمدِ غم ہے غمِ حسینؑ میں خونبار چشم پُرنم ہے
الم ہے رنج ہے سینہ زنی ہے ماتم ہے سحر وداعِ شبِ عشرۂ محرّم ہے
جو حق پرست ہیں ان کو یہ غم پرستی ہے
ابھی سے تعزیوں پر بیکسی برستی ہے

یہ شب وہ ہے کہ شہ دیںؑ پہ غم کا طوفاں ہے عطش کے صدمے سے غش میں ہر ایک انساں ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ ایک شب کا مہماں ہے سحر کو لاکھ عدو ہوں گے اور اک جاں ہے
دریدہ کر کے گریباں ہم جو رو دیں گے
سحر کو چاک گریباں رسولؐ ہوویں گے

کیا ہے راوی نے اس شب کا حال یوں مرقوم یہ شب جو آئی گئے خیمہ میں شہ مظلومؑ
بلا یا اپنے رفیقوں کو با دلِ مغموم اور ان سے کہنے لگا یوں وہ خاصۂ قیوم
وفورِ شوقِ ملاقات کبریا ہے مجھے
میں جس کا بندہ ہوں اس نے طلب کیا ہے مجھے

حرم سرا میں گئے کہہ کے یہ امامِ زمنؑ کیا یہ زینبؑ بیکس سے شاہِ دیںؑ نے سخن
کٹے گی صبح یہاں تیغ سے مری گردن جو تم کو کہنا ہو اس وقت مجھ سے کہہ لو بہن
تو لاش پر مری مقتل میں آ کے رو دے گی
سوائے حشر ملاقات اب نہ ہوئے گی!

مرثیہ نمبر ۲۵

شبِ عاشورہ

ابتر جو ہوا بعد عشاء دفترِ ایماں سجادۂ طاعت سے اُٹھے مظہرِ ایماں
راہی سوئے ناموس ہوا رہبرِ ایماں آیا طرفِ بُرجِ خیام اخترِ ایماں
پہلے کششِ قلب سے خواہر کی طرف آئے
کچھ سوچ کے منزل گہِ اکبرؑ کی طرف آئے

دیکھا جو شگاف در خیمہ سے بصد غم دل چاک ہوا شہ کا نظر آیا وہ عالم
مسند پہ ہیں لیٹے ہوئے اکبرؑ خوش و خرم بالیں پہ ہے ماں سونگھتی ہے گیسوئے پرخم
نہرِ آنسوؤں کی دیدۂ پرنم سے بہی ہے
اِک شمع لئے ہاتھ میں مُنہ دیکھ رہی ہے

کہتی ہے بصد یاس کہ اے وائے مقدّر کل خاک میں مل جائیگی یہ شکل منوّر
اِس چاند کے ٹکڑے کو کہاں پائیگی مادر آلودۂ خوں ہونگے یہ گیسوئے معنبر
کیا عید ہو گر جانِ حزیں تن سے نکل جائے
مجھ کو کہ جلی پر تیری آئی ہوئی ٹل جائے

برچھی سی لگی سُن کے یہ حسینؑ کی تقریر شہ روتے ہوئے آئے سوئے خیمۂ شبیر
کیا دیکھتے ہیں آہ وہاں حضرت شبیرؑ ہیں دونوں سپر دوش پہ مادرِ دلگیر
لے لے کے بلائیں انھیں سمجھاتی ہے زینبؑ
یوں اپنے جگر گوشوں سے فرماتی ہے زینبؑ

ماں صدقے ہو ماموں پہ فدا کیجیو جانیں تر ساغرِ کوثر سے ہوں یہ خشک زبانیں
ہاں رو کیوانِ پھول سے سیلیوں نے سنائیں یوں پہلے پہل لڑتے ہیں دشمن بھی تو جانیں
کیا لطف کہو تم کہ ہیں دلبند نبیؐ کے
خود بول اُٹھے رن کہ نواسے ہو علیؑ کے

خشکی ہی میں آب دمِ شمشیر بہانا تشنہ دہن اصغر ہے ترائی میں نہ جانا
ان چھوٹے سے ہاتھوں سے وہ چوگنگ دکھانا گو تم نہ ہو پر خلق میں رہ جائے فسانا
کہنے کو ہو یہ بات کہ سات آٹھ برس کے
زینبؑ کے پسر مر گئے پانی کو ترس کے

آئی ہے بلا بھائی پہ گھبرائی ہے زینبؑ آفت کے شکنجے میں یہ دکھ پائی ہے زینبؑ
غربت میں فدا ہونے کو ساتھ آئی ہے زینبؑ گھر سے تمہیں صدقے کیلئے لائی ہے زینبؑ
نصرت کے سوا اور کوئی کام نہ کرنا
للہ مرے دودھ کو بدنام نہ کرنا

گو دودھ بچل میں نے کیا تم کو ابھی سے دی پیاس میں مرنے کی رضا تم کو ابھی سے
کی رخصت جنگاہ عطا تم کو ابھی سے لو برچھیوں کو سونپ دیا تم کو ابھی سے
ماں صدقے ہو زندہ نہ کبھی آئیو رن سے
محجوب نہ کرنا مجھے تم روح حسنؑ سے

یہ سن کے مڑے خیمہ قاسمؑ کی طرف شاہ یہاں بھی نظر آئی وہی کیفیت جنگاہ
بیٹھے ہوئے تھے ماں کے قریں قاسمؑ نوشاہ ہے زوجۂ شبّرؑ کا یہ ارشاد بصد آہ
کیوں واری ہوئی صلح نہ افواج دغا سے
کل جنگ و جدل ہوئے گی پیارے کے بچا سے

آگے بڑھے پکڑے ہوئے دل سرورؑ ایماں آئے طرف خیمۂ ابن شہ مرداں
حجت شرف ماہ نبیؐ ہاشم ذی شاں دیکھا تو نظر آیا یہ احوال پریشاں
اک گوشے میں سر کھولے ہوئے روتی ہے کلثوم
اترا ہوا منہ آنسوؤں سے دھوتی ہے کلثوم

اُن کا تو یہ عالم ہے کہ دل غم سے ہے بیکل اور تیغ پہ عباسؑ علی کرتے ہیں صیقل
گہ دیکھتے ہیں انگلی سے بڑھ اور کبھی کس بل تابیں رخ روشن سے چمکتی ہیں جھلا جھل
پٹکا شہ مرداں کا لپیٹا ہے کمر میں
ہیں سامنے رکھے ہوئے ہتھیار سپر میں

غازی نے یکایک سرِ انور جو اٹھایا کلثومؑ دلِ افگار کو روتا ہوا پایا
پوچھا سببِ گریہ تو خواہر نے سنایا ہے اپنے مقدر پہ رونا مجھے آیا
کل صبح کو یہاں معرکۂ مہر و وفا ہے
قربانی کا ہنگام ہے بازارِ قضا ہے

ہیں عون و محمد پسرِ زینبِ مضطرؑ اور بالوئے ناشاد کے فرزند ہیں اکبرؑ
فرواکے جگر گوشے ہیں قاسم بن شبرؑ مائیں انھیں کل صدقے کریں گی شہ دیں پر
اِس غم سے ہے مضطر دلِ ناشاد برادر
رکھتی نہیں ہیں دولت اولاد برادر

یارا نہ رہا ضبط کا اس کلمہ کو سنکر کلثومؑ کے قدموں پہ گرا دوڑ کے صفدر
کی عرض کہ بیٹے کی جگہ ہے یہ برادر رشتے میں نہیں ہو پہ ہو تم ماں کے برابر
اِس سوچ میں اب کیوں دلِ بیتاب و حزیں ہے
عباسؑ تو ہے گر کوئی فرزند نہیں ہے

حضرت ہی کے باعث تو حاصل ہوئی عزت بچپن سے ہو تم موردِ الطاف و عنایت
بیٹوں کی طرح آپ نے پالا ہے بہ شفقت آفت سے چھڑوں میں جو ملے مرنے کی رخصت
کل صبح فراغت ہو جو بہنی طاعتِ رب سے
آقا پہ فدا کیجئے پہلے مجھے سب سے

مرثیہ نمبر ۲۶

صبح عاشورہ

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے جلوہ کیا سحر کے رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

یہ سُنکے بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کئے سب نے بیچ اس باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں تشریف جا نماز پہ لائے شہِ زماں
سجّادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں صوت حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آگئی

ناموس شاہ روتے تھے خیمہ میں زار زار چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں سب ثنا و صفت ذوالجلال کی
لو گواذاں سنو مرے یوسف جمال کی

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام آئے مصافحہ کو جوانان تشنہ کام
چومے کسی نے دست شہنشاہ خاص و عام آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر بہ احترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہ فلک سریر ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکر شریر عباسؑ اٹھے لے کے شمشیر بے نظیر
پروانے تھے سراج امامت کے نور پر
ڈھالیں سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبرؑ سے مڑ کے کہنے لگے سرور زماں باندھے ہے کشتی پہ کمر لشکر گراں
تم جا کے کہدو خیمہ میں اے پدر کی جاں بچوں کو لیکے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے یہ مجھے کہ گردن اصغرؑ ہلف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسرِ شہِ آسماں سریر فضّہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گو شہ گیر اصغرؑ کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

اُٹھے یہ شور سُن کے امامِ فلک وقار ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے یہ فق تھا یار
فرمایا مُڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کارزار کمریں کسو جہاد پہ مینگو اور اہو الہ
دیکھیں فضا بہشت کی دلِ باغ باغ ہو
اُمّت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہ بحر و بر ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اُدھر
جوشن پہن کے حضرت عباسؑ نامور دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوش پاک پر

خیمہ میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیکنام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہ ثواب
موقع نہیں ہے بہن ابھی فریاد و آہ کا!
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا!

پوشاک سب بہن چکے جب دم شہ زمن لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی ہائے آج نہیں عید روحسن اماں کہاں سے لائے تمھیں اب بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو لعل کی!

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہ زمن کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنی بہن
شیروں کے شیر عاقل و جرار صف شکن زینب و حید عصر ہیں دونوں یہ گلبدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی اُن کے اور ارادے ہی اور ہیں

اب تم جسے کہو اُسے دیں فوج کا علم کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہرا بہ کرم اُسدؑ سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تولیں کسی کا نام ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام
شوکت ہیں قدر میں شان میں ہمسر نہیں کوئی
عباسؑ نامدار سے بہتر نہیں کوئی!

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن ہاں تھی یہی علی کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن اکبرؑ چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض انتظار ہے شاہ غیور کو
چلئے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ جاؤ بہن کے پاس بلا لاؤ دیں پناہ
زینبؑ وہیں علم لئے آئیں بعزّ و جاہ بولے نشاں کو لیکے شہ عرش بارگاہ
انکی خوشی وہ ہے جو رضا پختن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

ناگاہ آکے بانی سکینہؑ نے یہ کہا کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا لو گو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمّو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علی کے نشان کی

عبّاس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ! عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ اب تو علم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ!

تحفہ نہ کوئی دیجئے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اِک جام دیجئے

باتوں پہ اُس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام کی عرض آ کے ابن حسن نے کہ یا اِمام
اَنبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عبّاس اب علم لئے باہر نکلتے ہیں!
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

سوز

جب نے آعدا سے کسی طرح صفائی ٹھہری صبح عاشور محرم کو لڑائی ٹھہری
پوچھا زینبؑ نے کہ کیا امر ہے بھائی ٹھہری شہ نے فرمایا بہن تم سے جدائی ٹھہری
آج پیاروں کی ملاقات غنیمت جانو
اے بہن آج کی یہ رات غنیمت جانو

مرثیہ نمبر ۲۷

صبح عاشورا

جب آسمان پہ صبح کا تارا ہوا عیاں بھائی بہن میں ہونے لگی غم کی داستاں
اکبرؑ سے اشک بھر کے یہ بولے شہ زماں وقتِ نماز صبح ہے اے میرے نوجواں
ارمان کچھ تو دکھیا جگر کے نکال دے
آج آخری اذاں مرے یوسف جمال دے

ارشاد سن کے باپ کا وہ یوسف زماں تختِ الحنک کو چھوڑ کے دینے لگا اذاں
بالکل تھا لحن حضرت داؤدؑ کا سماں زینبؑ دعا یہ کرتی تھی یارب انس و جاں
دولہا بنے یہ عمر بڑھے نورِ عین کی
اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسینؑ کی

اک سمت کو وہ یوسفؑ و یعقوبؑ کربلا دے کر اذان کرتا تھا رو رو کے یہ دعا
یارب ہیں اہلِ بیتِ نبیؐ غم میں مبتلا پردیس ہے نہ ہے کوئی یاور نہ آشنا
اپنا کرم شریکِ غریبوں کے کیجیو
ماتم میں میرے ماں کو مری صبر دیجیو

اِک سمت یاورانِ شہنشاہِ بحر و بر بیٹھے ہیں جا نماز وں پہ اپنے جھکائے سر
شوقِ اجل میں حال سے دُنیا کے بے خبر رُخ سوئے قبلہ اور یہ کلمہ زبان پر

آفت کا سامنا ہے شہ مشرقین سے
یا کبریا زمانہ پھرا ہے حسینؑ سے

چرچے تھے یہ خیامِ شہ دیں پناہ میں بجنے لگے جو طبل عدو کی سپاہ میں
اندھیر اچھا یا نواہر شہ کی نگاہ میں لرزہ پڑا مزارِ رسالت پناہ میں

بانوؑ پکڑ کے سینہ کو ہاتھوں سے رہ گئی
آوازِ افتراق قضا سب سے کہہ گئی

سجّادوں کو لپیٹا رفیقانِ شاہ نے باندھی کمر جہاد پہ ہر رشکِ ماہ نے
پہنا لباسِ مرگ شہ دیں پناہ نے گردوں ہلا دئے زینبؑ مضطر کی آہ نے

آمادہ مرگ پر شہ ذیشان ہو گئے
بانوؑ کے راج لٹنے کے سامان ہو گئے

مقتل میں تھا یہ حال سلیمانِ کربلا اِک مردِ خوش نصیب کا لکھتے ہیں ماجرا
شادی کے واسطے تھا وہاں گھر وہ سے ہوا مادر بھی اس کے ساتھ تھی اسکی بصد ضیا

دل سے نثار تھی جو پیمبرؐ کی آل پر
پڑھ کر درود کرتی تھی دم اپنے لال پر

القصّہ بعد شادیٔ فرزند مہ لقا ہمراہ لے کے دولہا دلہن کو بصد ضیا
راہی ہوئے وطن کی طرف کو وہ پارسا موجود گوہر ایک تھا سامان عیش کا
پر تھے اُداس شکل نہ تھی کوئی چین کی
تاریخ دسویں تھی یہی قتل حسینؑ کی

جس سمت دیکھتے تھے اُٹھا کر وہ اپنا سر آتے تھے صاف حشر کے ساماں نظر انھیں
بیٹے سے اپنے کہنے لگے یوں وہ خوش اثر آتے ہیں غیر طور زمانہ ہمیں نظر
آتے ہیں زلزلے جو ہر اک آن آن میں
اغلب ہے ساختہ ہو نیا کچھ جہان میں

پھر اک طرف کو دیکھتا ہے کیا وہ نیکخو اک خیمۂ سیاہ ہے برپا کنارِ جُو
کچھ بیبیاں ہیں خیمہ کے اندر کشادہ مُنہ آتی ہے جن سے فاطمہ زہراؑ کے خوں کی بُو
غمگین خستہ حال ہر اک سوگوار ہے
پوشاک پہنے سوگ کی اک سوگوار ہے

یہ حال دیکھکر دلِ دولہا لرز گیا دِل سے کہا کہ خیر کرے میرا کبریا
بیکس یہ کون ہیں جو ہیں آفت میں مُبتلا پھر جا کے اپنی ماں سے کہا سارا ماجرا
یہ سُنکے مومنہ کے نہ کچھ دل کو کل پڑی
بے ساختہ محافہ سے باہر نکل پڑی

بیٹے سے اپنے کہنے لگی تب وہ دل کباب بیشک ہے یہ بزرگ کوئی آسماں جناب
شاہ ایسے رنج میں ہو بشر میں کہاں ہے تاب کیا دیکھتا ہے تھام لے اب دوڑ کر رکاب

بے شبہ آسمانِ شرافت کا ماہ ہے
جا دیکھ تو یہ کونسی بستی کا شاہ ہے

یہ سنکے آیا خدمتِ شہ میں وہ نیکنام کی عرض السلام علیک اے فلک مقام
دے کر جواب کہنے لگے شاہ تشنہ کام بھائی بتا تو کون ہے اور کیا ہے تیرا نام

صدمہ وہ کونسا ہے جو میں نے سہا نہیں
میرا تو آج کوئی شناسا رہا نہیں

حاجت ہو جو تری وہ اسی دم روا کروں مقروض ہو تو بچوں کا زیور اتار دوں
پیدل ہے تو اگر تو ابھی راہوار دوں بن جائے تیرا کام تو سر بھی اتار دوں

آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں
تم یہ نہ جانیو کہ غریب الدیار ہوں

یہ سنکے ہائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال کی دست بستہ عرض کہ اے صاحب ملال
بہر خدا بیان تو کر کیا ہے یہ تیرا حال لاریب تو ہے شیفتۂ رب ذوالجلال

نزدیک ہے جو آئے قیامت جہان پر
لاکھوں کی کیوں چڑھائی ہے تجھ ناتوان پر

بہرِ خدا بتا دے کہ کیا تیرا نام ہے　　کیوں تیرے گرد لاکھوں کا یہ اژدھام ہے
کیا نام ہے وطن کا جہاں پر مقام ہے　　تیرے بزرگ کون ہیں کیا اُن کا نام ہے
یہ تو میں جانتا ہوں کہ تو بے گناہ ہے
بتلا دے پر تو کونسی بستی کا شاہ ہے

فرمایا عائشہؓ نے پوچھ نہ یہ غم کا ماجرا　　بھائی میں رہنے والا ہوں شہر مدینہ کا
ہے نام میرا بیکس و مظلوم کربلا!　　تقدیر لائی مجھکو کسی کی نہیں خطا
غربت میں آکے لٹ گیا ناشاد ہو گیا
میں کربلا میں آن کے برباد ہو گیا

اِک آہ بھر کے دولھا نے تب عرض یوں کیا　　مشکل کو تیری سہل کرے میرا کبریا
بھائی تو رہنے والا ہے شہر مدینہ کا　　یہ تو بتا ہے خیر سے زہراؑ کا لاڈلا!
ابن علیؑ و فاطمہؑ کے نورِ عین کا
آگاہ بھی ہے تو مرے آقا حسینؑ کا

یہ نام سُنکے روئے بہت شاہِ کربلا　　غش آگیا، تھا قریب، یہ تھی شدتِ بکا
دولھا نے گر کے پاؤں پہ تب عرض یہ کیا　　اے شخص واسطہ تجھے پروردگار کا
بتلا دے جلد تا دلِ بے کل کو کل پڑے
یہ نام سُنکے کیوں ترے آنسو نکل پڑے

یہ عرض کر رہا تھا وہ دولھا کہ ایکبار آئی صدائے دخترِ خاتونِ روزگار
بھائی حسینؑ اے مری اماں کی یادگار تشریف لاؤ خیمہ میں زینبؑ ہے بے قرار
صدمے دیئے فلک نے نئے میری جان کو
غش آ رہے ہیں تیسرے مرے ناتوان کو

سُنکر صدا یہ دولھا کو صدمہ ہوا کمال تڑپا زمیں پہ ماہیٔ بے آب کی مثال
اٹھا تڑپ کے جب لیا پکارا بصد ملال یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہؑ کے لال
میں جانتا تھا سیدہ الاوطن ہیں ہیں
واقف نہ تھا کہ آپ ہی آفت کے بن ہیں ہیں

تقصیر بخشئے میری یا شاہِ نامدارؑ میں نے نہیں حضور کو پہچانا زینہار
شہ بولے کچھ گلہ نہیں اے مردِ وفا تقدیر ہی نے کر دیا اپنا یہ حال زار
غربت میں خوب مجھکو مقدر نے پھل دیا
قسمت نے آج سب میرا نقشہ بدل دیا

سر پیٹ کر یہ دولھا پکارا بصد ملال اماں قیامت آگئی اب کھولو سر کے بال
تنہا کھڑا ہے دھوپ میں جو شخص خوں سے لال اماں یہی ہے فاطمہؑ زہراؑ کا نونہال
ابن علیؑ و سبط شہ مشرقین ہے
اماں یہی غریب مسافر حسینؑ ہے

مرثیہ نمبر ۲۸

صبح عاشورہ

جب صبح بے روائی زینبؑ عیاں ہوئی ہمراہ شب سیاہ کو اک کارواں ہوئی
تیار فوج قبلۂ کون و مکاں ہوئی واں طبل جنگ بجنے لگا یاں اذاں ہوئی
مصروف حق کی یاد میں سب ارجمند تھے
قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند تھے

تعقیب فرض صبح ابھی پڑھ رہے تھے شاہ جو تیر آ کے رن سے گئی سوئے خیمگاہ!
کی مڑ کے شاہ نے رخ عباس پر نگاہ غازی نے عرض کی کہ بڑھی آتی ہے سپاہ
لازم ہے جنگ خیمے کی ڈیوڑھی سے دور ہو
روکے انھیں غلام جو حکم حضور ہو

شہ نے کیا اشارہ کہ چلتے ہیں ہم بھی اب آنے دو تیر، جاؤ نہ تم جب رضائے رب
چپ ہو گیا یہ سنکے وہ غازی بصد ادب سجدہ میں سر جھکا کے اٹھے شاہ تشنہ لب
رخصت کو بیبیوں سے علی کا خلف گیا
بیت الشرف میں نیر برج شرف گیا

خیمے میں جا کے شاہ بدلنے لگے لباس　　ہتھیار جب سجے تو ہوئی بیبیوں کو یاس
بانو کا رنگ زرد تھا زینب تھی بے حواس　　دامن قبا کا پکڑے سکینہؑ کھڑی تھی پاس
پھیلا کے ہاتھ کہتی تھی گودی میں آئیں گے
بابا سدھاریئے گا تو ہم روٹھ جائیں گے

ہتھیار کیوں لگائے ہیں باندھی ہے کیوں کمر　　کیوں بابا جان یہاں سے کہیں اور ہے سفر
اچھا چلو کہ یاں تو ڈری ہوں میں رات بھر　　آواز گریہ آئی ہے جنگل سے تا سحر
اماں ذرا نہ سوئیں نہ ہم شب کو سوئے ہیں
اصغرؑ بھی چونک چونک کے راتوں کو روئے ہیں

پوچھو پھوپھی سے سنتی تھیں یا شاہِ نامدار　　اک بی بی پیچھے خیمے کے روتی تھی زار زار
صاف آتی تھی صدا مرے بیکس تیرے نثار　　ہے ہے حسینؑ تیرا گلا اور چھری کی دھار
سونا ہے کل زمین پہ مرے شکِ ماہ کو
بالوں سے جھاڑتی ہوں میں اس خوابگاہ کو

بیٹی نثار ہو گئی اچھے مرے پدر　　اٹھواؤ خیمہ جلد یہاں سے کرو سفر
کانوں پہ ہاتھ رکھے رہی ہوں میں رات بھر　　ڈرتا ہے دل کہ چھین نہ لیوے کوئی گہر
کانوں سے بالیاں جو اتارے تو کیا کروں
کوئی طمانچے آن کے مارے تو کیا کروں

ہر دم صدا یہ آتی ہے اے سرورِ زمن اب گھر دمن میں آلِ محمدؐ کی اور رسن
قسمت میں ہے کہ انڈہو اک رات کی دلہن بھائی سے چھوٹ جائے مصیبت زدہ بہن

برباد خاندان رسول کریم ہو!
ڈھل جائے دوپہر تو سکینہؑ یتیم ہو!

کس کو یتیمی کہتے ہیں یا شاہ دیں پناہ! یہ کیا غضب ہے کونسا مجھ سے ہوا گناہ
روکا ہے واں ہمیں کنوان ہے جہاں چاہ! کیا خوب مہمانیٔ آلِ عبا ہے واہ

فاقہ تو راث ہے ہمیں اس کا گلہ نہیں
گزرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں

بیٹی کے اس کلام پہ روئے امام دیں منہ چوم کر کہا کہ نہیں تم ڈرو نہیں
زندہ ابھی تو ہے پدر بیکس و حزیں بی بی نہ رو رو دو نہ جائینگے ہم کہیں

مہماں ہوئے ہیں جن کے وہ ہم کو بلاتے ہیں
پانی تمھارے واسطے لینے کو جاتے ہیں

اچھا نہ یاں رہیں گے جو ایسا ہے تم کو ڈر ہم بعد عصر آج ہی کر جائیں گے سفر
ان بھولی بھولی بالوں کے قربان ہو پدر سچ ہے کہ یہ مقام نہایت ہے پُر خطر

دشمن ہیں سب، امام غریب الدیار کے
رکھوا دو ماں کے پاس یہ بندے اُتار کے

ایسا نہ ہو کہ کوئی دکھا دے تمھارے کان فکر اپنی کچھ نہیں ہے تمھارا ہے مجھکو دھیان
تجھ پر نثار جان پدر اے سکینہ جان بن پانی اینٹھی جاتی ہے سوکھی ہوئی زبان
اس غم سے مجھکو چین نہیں بے قرار ہوں
بی بی تمھارے منہ سے بہت شرمسار ہوں

بولی مچل کے وہ کہ نہ مانوں گی میں پدر جنگل میں چھوڑ کر مجھے جاؤ گے تم کدھر
بہلائیے نہ بیٹی کو یا شاہ بحر و بر یہ پیار آخری ہے مرے دل کو ہے خبر
میں خوب جانتی ہوں کہ منہ موڑتے ہیں آپ
صغرا تو روٹھی مجھے یاں چھوڑتے ہیں آپ

باتیں ہیں سب فراق کی یا شاہ نامدار مانوں نہ ایک میں کوئی مجھ سے کہے ہزار
مجھ کو اتارے دیتے ہیں گودی سے بار بار بس بابا جان دیکھ لیا آپ کا بھی پیار
ہے ہے طبیعت آپکی بیٹی سے ہٹ گئی
اتنی سی عمر میں مری قسمت الٹ گئی

جس دم کئے سکینہؑ نے یہ جانکنہ اکلام رو کے لپٹ کے زینبؑ ناشاد سے امام
قد موں پہ تھی جھکی ہوئی بالوں سے نیک نام کھولے سروں کو بیٹھی تھیں بیبیاں تمام
آمادۂ سفر تھا مسافر عراق کا!
تھا شور الوداع کا اور الفراق کا!

مرثیہ نمبر ۲۹

شہادت حضرت حرؑ

رَن میں جب شہ کی طرف سے حرؑ دلیر آیا — کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غُل ہوا سیّدِ مظلوم کا غمخوار آیا — جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرّار آیا
تمتمق نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر — ہاں طرف دارِ شہِ دیں چلیں نیزہ و تیر
لیکے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر — فاتحہ پڑھ کے جوانمرد نے کھینچی شمشیر
حُرؑ کا مُنھ سُرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ نہ ہے عزت و جاہ — بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ واہ حرِؑ غازی واہ — شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی　　سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز ادھر اور ادھر تنہائی!　　باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجہ میں نہ کچھ دیر لگی!
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے　　رکھدیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرتؑ سے کہا چلّا کے　　گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادم حضرتؑ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعید ازلی گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر　　ہو گئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر　　حرؑ کی امداد کو ہم جائیں گے اے نور نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پہ ہے
لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پہ ہے

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جناب شبیرؑ　　واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حرؑ با توقیر
دیکھکر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر　　پہونچے لاشے پہ امام دو جہاں وقت اخیر
چمن ہستیٔ مہماں کو اجڑتے دیکھا
خاک پر ایڑیاں زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور — مرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گر نہ کیا تجھکو لگا لوٹ گئی میری کمر! — گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہمکو خبر

دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھولدے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

نیم وا چشم سے حُر نے رُخ مولا دیکھا — زیر سر زانوئے شبیرؑ کا تکیہ دیکھا
مسکرا کر طرف عالم بالا دیکھا — شہ نے فرمایا کہ اے حرؑ جری کیا دیکھا

عرض کی حسن رُخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ — ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہیں اللہ اللہ — لو برآمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی!
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی!

کہکے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی — آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی — چل بسے حرؑ جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہ والا کی طرف

مرثیہ نمبر ۳۰

شہادتِ حضرت حرؑ

جنّت کے در پہ حُرؑ جونہی جا کر کھڑا ہوا زخمی تمام تن تھا لہو سے بھرا ہوا
رضوان نے دیکھا آیا کوئی سر کٹا ہوا پوچھا کہ سر ترا تنِ زخمی سے کیا ہوا
بولا اُٹھا کے آیا ہیں ظلم شدید ہوں
میں لشکرِ حسینؑ میں پہلا شہید ہوں

اس نے حسینؑ ابن علیؑ کا لیا جو نام رضوان نے اس کو جھک کے ادب سے کیا سلام
انگلی پکڑ کے اس کی بہ آہستگی تمام بولا نبیؐ کے پاس تو چل جلد تشنہ کام
تجھ سے جو کچھ ہے رشتہ حسینؑ امام سے
ظاہر تو چل کے کیجیو خیر الانام سے

القصّہ جب رسولؐ کے پاس اس کو لے گیا اور وہ نبیؐ کے سامنے جا کر کھڑا ہوا
پوچھا نبیؐ نے کون ہے تو سر سے کیوں کٹا حُرؑ بولا کر کے مجرؑا کہ یا شاہ انبیا
میں پیٹتا ہوں آنسوؤں سے بھر کے نین کو
کرتے ہیں قتل اب میرے آقا حسینؑ کو

یا مصطفےٰ حبیب خدا شاہِ بحر و بر میرا ہے نام حر میں ریاحی کا ہوں پسر
شبیرؑ کا ہوا تھا ہر اول میں آن کر قدموں تلے حسینؑ کے میرا کٹا ہے سر

کر نے خبر میں آیا شہ مشرقین کی
کر رب بلا میں کٹتی ہے گردن حسینؑ کی

یوں مصطفےٰ سے کرتا تھا حر اس جگہ بیاں اک حور کی نظر پڑی اس پر جو ناگہاں
بنت نبیؐ سے جا کے کہا یہ بصد فغاں اک شخص آیا ہے سر کٹا ہے لہو لہان

کرتا نبیؐ سے رو رو کے وہ قیل و قال ہے
اس کے گلے میں بی بی تمہارا رومال ہے

کہتا ہے ماجرا وہ حسینؑ امام کا مشتاق ہے بہت ہی وہ پانی کے جام کا
سنکر کلام درد اب اس تشنہ کام کا احوال ہے تباہ رسولؐ انام کا

ہاں چل کے دیکھئے جو ستم آشکار ہے
بی بی تمہارے بیٹے کا وہ دوستدار ہے

کیا جانئے حسینؑ پہ صدمہ ہے کیا ہوا جو اس کا سر حسینؑ کی خاطر جدا ہوا
اس حور کی زبانی یہ سنکر بنت مصطفےٰؐ اپنے پدر کے پاس گئی سننے ماجرا

دیکھا تو سچ ہے آیا ہے اک سر کٹا ہوا
رومال بھی گلے میں ہے میرا بندھا ہوا

خیر النساء کی اِس پہ جو ناگہ نظر پڑی پہلے تو اس کی شکل پہ قربان ہو گئی
بعد اس کے پوچھنے لگی وہ زوجۂ علیؑ میرے حسینؑ پیارے کی کہہ تو خبر ذری

کیوں شکل تیری دیکھ میری پھٹتی چھاتی ہے
بولے حسینؑ جسم سے کیوں یہ تیر آتی ہے

یہ سُن کے حُر نے قدموں پہ زہراؑ کے سر رکھا بولا نیا غلام ہوں آقا حسینؑ کا
ابن علی کا کیا کہوں میں تم سے ماجرا فدیہ میں ہوں حسینؑ کا سر ہے مرا کٹا

آفت تھی ٹوٹی ہائے شہ مشرقین پہ
بلوا پڑا تھا روبرو میرے حسینؑ پہ

آنکھوں سے اپنی دیکھ کے آیا تھا میں یہ حال لیکن قریبِ خیمہ کے جب پہنچا میں نڈھال
یوں رہ میں اک فرشتہ نے مجھ سے کیا مقال کرب و بلا سے میں بھی ہوں آیا لہو میں لال

تیغِ دو دم ستمگروں کی تن پہ چل گئی
خنجر کی دھار شاہ کی گردن میں چل گئی

زینبؑ کے لال مر گئے مامونؑ ہو فدا اکبر علیؑ کو برچھی لگی وا مصیبتا
مسلمؑ کے بیٹے کٹ گئے در فوج اشقیا قاسمؑ کی شادی لُٹ گئی عباس علیؑ موا

سجادؑ نالواں پہ ستم آشکار ہے
گردن میں طوق ہاتھوں میں اس کے مہار ہے

زنجیر پہنے روتا ہے وہ دلبر حسینؑ — سر ننگے بلوہ میں ہے کھڑی خواہر حسینؑ
جلتی ہوئی زمین پہ ہے اب بستر حسینؑ — بن پانی کے سسکتی ہے اک دختر حسینؑ
لاشوں کے درمیان حرم ہیں کھڑے ہوئے
نیزوں پہ سب شہیدوں کے سر ہیں چڑھے ہوئے

قاسمؑ کے سر پہ سہرا بندھا تھا جو پھولوں کا — کٹ کٹ کے تیغوں سے وہ ہوا ہے جدا جدا
چُن چُن کے اسکو اس کی دلہن واعیتا — یہ کہکے اس کی لاش پہ دھرتی ہے خاک اڑا
ماتم میں تیرے اہل حرم دل ملول ہیں
سہرا نہیں یہ تیرے جنازے کے پھول ہیں

میں نے یہ سب زبانی فرشتہ کے تھا سُنا — اور مجھ کو آگہی تھی جو کچھ میں نے وہ کہا
پیاسا ہوں جام اک مجھے دیجیئے منگا — تب مرتضیٰؑ سے بنت پیمبرؐ نے یہ کہا
یاس اپنے یا علیؑ اسے جلدی بلائیے
کوثر پہ خون حرؑ کے بدن سے دھلائیے

یہ کہہ کے فاطمہؑ نے کیا حرؑ سے یہ سوال — کس نے گلے پہ باندھا تھا ترے مرا رومال
وہ بولا کیا کہوں میں جگر خستہ یہ ملال — کھا کر گلے پہ برچھی ہوا میں جو بنی نڈھال
نے اس گھڑی حواس نہ کچھ مجھکو ہوش تھا
شہ رگ سے میرے خون کے دریا کا جوش تھا

فوارہ خون کا بہنے لگا اور جب تھما　　سرور کو آئی ہاتف غیبی سے یہ صدا
رومال فاطمہؑ کا جو بازو پہ ہے بندھا　　حُر کے گلے پہ باندھو یا سبطِ مصطفیٰ!
تہ کر کے رکھا حسنؑ کے شہ باکمال نے
شہ رگ کا خون بند کیا اس رومال نے

یہ سُن کے اس کو زہراؑ نے دیکر دعا کہا　　تو بھی ہے مرجعِ عزیزوں میں اب تو ٹھہر چکا
اے حُر تجھے ہے آفریں اور لاکھ مرحبا　　سر تو نے میرے بیٹے کی خاطر کٹا دیا!
محشر کے روز پہلے تجھے بخشوائیں گی
عباسؑ علی کے زیرِ علم جا بٹھائیں گی

القصہ کیا بیان کروں میں غم کا ماجرا　　ماتم زدوں کا قافلہ فردوس سے چلا!
جب تھوڑی دور پہنچا وہ سر پیٹتا ہوا　　کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ معصوم پارسا
آتا ہے اک فرشتہ یہ کہتا البتور و شین
جنت کے روضہ میں ہے چلا لشکرِ حسینؑ

زہراؑ نے اس فرشتہ سے با چشمِ اشکبار　　پوچھا کہ کتنی دور ہے وہ میرا نامدار
وہ بولا اے حسینؑ کی ماں بی بی باوقار　　اب کوئی دم میں ہوتی ہے بیٹے سے تیرا ملنا
رتبہ بڑا ہے بادشہ مشرقین کا
محشر میں بول بالا ہے تیرے حسینؑ کا

مرثیہ نمبر ۳۱

شہادت حضرت عون و محمد

ہے شور کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں رن میں
دریائے شرافت کے گہر آتے ہیں رن میں
روشن ہے زمیں شمس و قمر آتے ہیں رن میں
شہزادۂ اقلیم ظفر آتے ہیں رن میں
تھرائیں نہ کیوں دل کہ دلیروں کی ہے آمد
ہشیار خبردار کہ شیروں کی ہے آمد

حیدرؑ کی طرح شیر دلاور انھیں سمجھو
جان و جگر ضیغم داور انھیں سمجھو
شبیرؑ کا ہمدم انھیں یاور انھیں سمجھو
دریائے شرافت کا شناور انھیں سمجھو
ہاں زور دکھائیں گے یہ خالق کے ولی کا
دودھ انکی رگوں میں ہے بھرا بنت علیؑ کا

وہاں فوج میں یہ غل تھا ادھر رونے کی تھی دھوم
بیٹوں کو پہناتی تھی کفن زینبؑ مغموم
لب پر یہ دعائیں تھیں کہ یا خالق قیوم
دونوں ہوں نثار قدم سرور مظلوم
وہ وقت نہ آئے کہ بہن بھائی سے چھٹ جائے
شبیرؑ کی ہو خیر کمائی میری لٹ جائے

یہ کہہ کے انھیں لائیں حضور شہ ذیجاہ کی عرض کہ حاضر ہیں غلام آپ کے یا شاہ
حسرت ہے کہ حضرت سے ملے رخصت جنگاہ مرنے پہ کمر باندھ کے آئے ہیں مرے ماہ
منظور ہے ان کو یہ شریک شہدا ہوں
اعدا سے لڑیں اکبرؑ و اصغرؑ یہ فدا ہوں

ہیں آپ تو ہمشیر کے احوال سے آگاہ نادار ہوں مجبور ہوں محتاج ہوں یا شاہ
بیٹوں کو اسی واسطے لائی تھی میں ہمراہ نذر آج انھیں کرتی ہوں یا سرور ذیجاہ
رد کیجئے نہ اس خواہر غمخوار کا ہدیہ
صدقہ گئی مقبول ہو نادار کا ہدیہ

منہ دیکھ کے زینبؑ کا یہ کہنے لگے شبیرؑ تلواروں میں ان بچوں کو میں بھیجوں ہمشیر
کی دست ادب جوڑ کے دونوں نے یہ تقریر ہم آپ کے اقبال سے ہیں صاحب شمشیر
بچے ہیں پہ ہم سا کوئی جرار نہیں ہے
تلواروں میں جانا ہمیں دشوار نہیں ہے

ہم وہ ہیں کہ حملوں سے صفیں فوج کی توڑیں دیکھیں تو بھلا تیروں کو چلوں میں جو توڑیں
ماریں جسے بے ذبح کئے اس کو نہ چھوڑیں غازی نہ سمجھے گا جو منہ جنگ سے موڑیں
تشویش ہے کیا مالک شمشیر ہیں ہم تو
تیغوں کو چبا جائیں گے وہ شیر ہیں ہم تو

خوش ہو کے جو زینبؑ نے اشارہ کیا ایکبار سردار کے قدموں پہ جھکے وہ جگر افگار
چھاتی سے لگا کر انھیں بولے شہ ابرار رو دو نہ رضامند ہوں میں سکینہ و ناچار

اندوہ پہ اندوہ ہے زہرا کے پسر پر
دو داغ سنبھالے بھی اٹھائیں گے جگر پر

شبیرؑ نے رو رو کے جو یہ بات سنائی سب رانڈیں لگیں پیٹنے دے دے کے دہائی
چلائی یہ مخدومۂ کونین کی جائی اس ذکر نے محشر کو بسمل کیا بھائی

تقدیر یہ آفت ابھی دکھلائیگی مجھ کو
مر جائیں گے سب ہائے نہ موت آئیگی مجھ کو

سن سن کے یہ سب روئے جو با حالتِ تغیر حضرت سے کہنے لگے وہ صاحبِ توقیر
تھیں سعادتیں ہیں مناسب نہیں تاخیر جاتے ہیں نمکخوار سوئے لشکرِ بے پیر

حیدرؑ کی اماں میں شہ ذیجاہ کو سونپا
شہ نے کہا جاؤ تمھیں اللہ کو سونپا

وہ چاند سے مُنہ اور گیسوئے معنبر وہ بدر شبیہ مہ چار زہے قدرت داور
سب شان ید اللہ کی سب شوکت جعفرؑ چتون وہی غصہ وہی بالکل وہی تیور

یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

اِس شان سے جب وارد میداں ہوئے دونوں
شکل مہ و خورشید کا ساماں ہوئے دونوں
نیساں زباں سے گہر افشاں ہوئے دونوں
یوں بڑھ کے سوئے فوج رجز خواں ہوئے دونوں

ہاں کچھ جسے دعویٰ ہو پئے جنگ وہ آئے
ہونا ہو جسے تیغ سے چو رنگ وہ آئے

نعروں سے دلیروں کے پڑی فوج میں ہلچل
جنبش ہوئی گیتی کو لرزنے لگے جنگل
بھاگے ادھر اسوار ادھر چھپ گئے پیدل
اول صفِ آخر ہوئی آخر صفِ اول

مجمع تہ و بالا سرِ میداں نظر آیا
لشکر کے اُلٹ جانے کا ساماں نظر آیا

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
بھائی میں بھگا دوں گلا ابھی انکو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی کی کلیجے کو نہیں تاب
سینہ میں مرے دل نہیں آتش پہ ہے سیماب

ہم لوگ محق کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے تیرے گلفام
ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام
غش ہم کو کبھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام

آنکھیں تو ستمگار و نیکی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں در خیمہ پہ کھڑی ہیں

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب ہر دم ہے رضامندیٔ مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب منظور یہ تھا فتح کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو نہ دیکھیں گے کبھی آنکھ اُٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہ والا کو پلا کے

پھر دونوں نے گھوڑوں کو اُڑایا سوئے لشکر برہم ہوئے دستے تو رسالے ہوئے ابتر
رُکتے ہی نہ تھے فوج سے وہ شیر دلاور جرأت میں یہ جعفر تھا شجاعت میں وہ حیدرؑ
صفّین کی جدل بھول گئی لشکریوں کو
یاد آگئی خیبرؑ کی وغا خیبریوں کو

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ پردے سے کھڑی کہتی تھی مادر سوئے جنگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہ ذیجاہ اب مجھ سے جُدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہوں میں اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری ناداریٔ تن کا

عباسؑ نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے اور مجھکو نہ اکبرؑ کو پکارا جائے یہ غلام آپ کا فرمائیں جو اشارا
حضرت کی قسم دیکھئے میں سمجھاؤں گا اُن کو
مچلیں گے تو گودی میں اُٹھاؤں گا اُن کو

گھبرا کے در خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری — سر ننگے میں نکلونگی ہو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری — بتلاؤ کہ میں انکی ہوں عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

زہراؑ کی قسم کچھ مجھے بیٹوں کا نہیں دھیان — بھائی پہ تصدق ہوں یہی ہے مجھے ارمان
وہ آئے تو وہ سوا اس سے دل ہوگا پریشان — صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود رو دونگی پر شاہ کو غم کھانے نہ دونگی
لاشہ بھی اٹھانے کیلئے جانے نہ دونگی

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے — لو شاہ کی ہمشیر کے فرزند سدھارے
ٹکڑے کیا معصوم کو تلواروں کے مارے — وہ لوٹتے تھے خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کی لاشوں کی اب اسوار بڑھے ہیں
بچوں کے سر اب کٹ کے سناں پر چڑھے ہیں

یہ سنتے ہی بس پہلو میں سنبھلا نہ دل زار — اور شاہ کی ہمشیر گری خاک پہ اکبار
وہاں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہ ابرار — یہاں کوئی سماعت کے ہیں وہ جگر افگار
کس غم میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

مرثیہ نمبر ۳۲

دَرحال حضرت عون و محمد

جب رن میں گئے زینبؑ ناشاد کے پیارے
اور ڈوب گئے شام کے بادل میں ستارے

جس وقت وہ جنگاہ سے آگے کو سدھارے
ماں آ گئی تب ڈیوڑھی پہ بیتابی کے مارے

پہونچی یہ خبر بنت شہنشاہ نجف کو
بیٹے ترے لڑنے گئے دریا کی طرف کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی خواہر
نزدیک تھا آئے نکل پردے سے باہر

رو رو کے یہی سر پہ چیتی تھی ہاے وہ مضطر
دریا پہ نہ پی لیں کہیں پانی مرے دلبر

ہر چند کہ ہیں ساقیٔ کوثر کے نواسے
لیکن ہیں کئی روز سے وہ بھوکے پیاسے

مجھکو بشریت کے تقاضے سے ہے وسواس
ہوتی ہے دم جنگ دلیروں کو بہت پیاس

پینا جو نہ تھا پانی تو کاہے کو گئے پاس
بھائی مرا پیاسا ہے اور اکبرؑ و عباسؑ

گھبرائی ہوئی اس لئے میں سوختہ دل ہوں
وہ پانی پئیں اور میں کنوئیں سے خجل ہوں

اِس سوچ میں گھبرائی پھری درد کی ماری || ڈیوڑھی پہ وہ عباسؑ دلاور کو پکاری
آئے جو علمدار تو کہنے لگی واری! || قربان بہن یہ گئی صورت پہ تمہاری

اس وقت محمد ہیں کہاں عون کدھر ہے
کچھ بھانجوں کی اپنے بھی اب تم کو خبر ہے

سُنتی ہوں کہ دریا پہ گئے ہیں مرے جانی || پیاسے ہیں کئی روز سے پی لیں نہ وہ پانی
دونوں سے کہو جا یہ تم میری ہے زبانی || ماموں کی کہیں بھوکی یہ ہمشیر دہائی

گر پی لیا پانی تو نہیں لُطف ذرا ہے
قربان گئی پیاسے ہی مرنے میں مزا ہے

رتبہ میں نہیں تم علی اکبر سے زیادہ || مُضطر نہیں تم عابدِ مُضطر سے زیادہ
پیاسے نہیں تم شاہ کی دختر سے زیادہ || کمسن نہیں تم کچھ علی اصغر سے زیادہ

مشہور تو ہو ایسے بڑے شیر کے پیارو
مر جائیو تم پانی سے منھ پھیر لو پیارو

وَاللہ کہ حُر کوئی نہ تھا اپنا یگانہ || آغاز تو دیکھو کہ کہاں سے ہوا آنا
انجام بخیر اب اُسے کہتا ہے زمانہ || تا حشر زبانوں پہ رہے گا یہ فسانہ

بیگانوں کو یہ بات جو منظور نظر ہو
پس تم تو مری جان ہو اور میرے جگر ہو

عباسؑ علی تم انھیں چھاتی سے لگانا || کہنا کہ کہا ماں نے ہے دریا پہ نہ جانا
حکم آپ کا ان دونوں نے گر مانا تو مانا || ورنہ ہے تمھیں میری قسم آنکھ دکھانا
کہنا جو پیا پانی ہمیشہ نہ جیو گے
ماں دودھ نہ بخشے گی جو تم پانی پیو گے

اے لاڈلو پانی سے جو تم نے کئے لب تر || دھیان اس کا مرے بھائی کو گزرے گا مقرر
گر آج کو پانی پہ پہونچتا علی اکبرؑ || بن آئے نہ بہن بھائی کے پیتا نہ وہ دلبر
سوچو تو ذرا دل میں یہ انصاف کی جا ہے
بدنام ہو پانی جو پیا خاک مزا ہے

اس شرط سے بہتر ہے کہ تم نہر پہ جاؤ || جو پانی کو تم ہونٹ سے مطلق نہ لگاؤ
مشکیزہ بھرو پانی سے اور پیاسے ہی آؤ || اور لاکے سکینہؑ کو اور اصغرؑ کو پلاؤ
پھر سامنے بھائی کے مری قدر بڑی ہو
ہو اور کسی کی بھی نہ عزت جو مری ہو

اور نکلے سخن یہ دہن خلق خدا سے || کہنا ہوا زینبؑ کا ہر اک ماہ لقا سے
آخر کو وہ تھے ساقیٔ کوثر کے نواسے || دریا پہ گئے پانی ملا اور رہے پیاسے
پانی جو ملا شاہ کی دختر کو پلایا!
باقر کو پلایا علی اصغرؑ کو پلایا!

اے لاڈلو ہے آج کی یہ رات تو آساں | پر ہو گی جب روز عیاں حشر کا ساماں
خورشید فلک ہو گا سوا نیزے پہ اُس آں | مچھلی کی طرح تڑپیں گے اُس روز سب انساں
یاں پانی اگر تم نے پیا تشنہ لبی سے
گر جاؤ گے اشکوں کی طرح چشم نبیؐ سے

جو جو کہ یہاں تشنہ دہن ہوئیں گے بے سر | سب ہونگے کھڑے ساقیٔ کوثر کے برابر
اور پیاسوں کے قبضہ ہی میں ہو گا وہاں کوثر | دیویں گے علی ساغر کوثر انھیں بھر بھر
ہر ایک کہیگا وہاں حیدرؑ سے نبیؐ سے
گھبرائے تھے زینبؑ کے تشنہ لبی سے

شرمائیگی واں بابا سے اماں یہ تمھاری | اور ماں کے حضور آنکھ مری ہو گی نہ واری
اس امر کے دھڑکے سے یہ بیتابی ہے ساری | یاں پانی نہ پی لیجیو اماں جو ہے پیاری
وہ کام کرو جو نہ حجاب آئے کسی سے
محشر میں مری آنکھ نہ شرمائے کسی سے

زینبؑ کے جو منھ سے سنی تقریر یہ ساری | عباسؑ دلاور پہ ہوئی شدت زاری
کی عرض کہ تم حضرت زہرا کی ہو پیاری | کب بھول وہ سکتے ہیں بھلا بات تمھاری
اس درجہ سمجھ والے ہیں فرزند تمھارے
پانی نہ پئیں گے کبھی دلبند تمھارے

ہر چند یقیں ہے کہ پئیں گے نہ وہ پانی کیسی ہی اگر ہوگی انھیں تشنہ دہانی
دشوار ہے یہ بات زباں پہ مری آنی اے بھائی جو کیجیو نہ تعب تشنہ دہانی
میں تو نہ گیا اور انھیں میدان میں بھیجا
اب اور بھی کیونکر میں کروں سخت کلیجا

زینبؑ نے کہا بھائی یہ کیا کرتے ہو گفتار صدقے کروں تم پہ ہوں اگر نثار مرے دلدار
تم شاہ کے بازو پسر حیدر کرار حیدرؑ کے کلیجے ہو تم اور بھائی کے غمخوار
سب کام ہوں، آئیں جو یہ کام آپ کے بھائی
فرزند تو میرے ہیں غلام آپ کے بھائی

یہ سن کے چلے اُن سے جو عباسؑ دلاور پہونچے وہاں جس جا تھے کھڑے دونوں دلبر
دیکھا تو عجب شان سے لڑتے ہیں وہ صفدر افراط جراحت سے ہیں تن چور سراسر
اعدا سے لب نہر تو ستب چھین لیا ہے
نے آپ پیا پانی نہ گھوڑے نے پیا ہے

مرثیہ نمبر ۳۳

شہادت حضرت عون و محمد

زمیں زینب کے جو آغوش کے پالے آئے
دونوں کس شان سے ہتھیار سبھالے آئے
گھوڑے چمکا تے ہوئے بھالے آئے
قتل کرنے کو سواروں کے رسالے آئے

جا پڑے شیر چمکتی ہوئی تلواروں میں
گھر گئے دونوں جری لاکھ ستمگاروں میں

ناگہاں فوج سے پیاسوں پہ ہوئی بارشِ تیر
اور چمکنے لگی ہر ایک لعیں کی شمشیر
چھوٹے سے نیچوں کو کھینچ کے وہ ماہ منیر
مسکرا کر لگے آپس میں یہ کرنے تقریر

زخم شمشیر و سنان جسم پہ سہنا بھائی
سائے کی طرح مگر ساتھ ہی رہنا بھائی

کہیں ایسا نہ ہو ہم ہوں کہیں اور تم ہو کہیں
یوں اگر مارے بھی جائیں گے تو کچھ لطف نہیں
ایک ہی جا پہ گریں گھوڑوں سے بالائے زمیں
ہے یہ لازم کہ دمِ مرگ بھی ہم تم ہوں قریں

ساتھ ہی خلد کو دنیا سے سفر کر جائیں
خدمتِ احمدؐ و زہراؑ میں برابر جائیں

کہہ کے یہ دونوں نے رانوں میں دبائے گھوڑے
لیکے نامِ اسد اللہ اٹھائے گھوڑے
لاکھ اسواروں سے بھی رُکنے نہ پائے گھوڑے
شیر کی طرح سے اعدا میں در آئے گھوڑے

قہر نازل ہوا خالق کا جفا کاروں پر
بجلیاں گرنے لگیں رنہیں ستم گاروں پر

یوں ہی لڑتے رہے تا دیر جو وہ نیک صفات
گل سے لب سوکھ گئے آنے لگے غش پہ غش
چھوٹے بھائی نے کہی چپکے سے بھائی یہ بات
ہم تو اب مرتے ہیں اے بھائی چلو سوئے فرات

مددِ خالق اکبر سے فقط لڑتے ہیں
پیاس ایسی ہے کہ گھوڑے سے گرے پڑتے ہیں

آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجہ بھائی
اب تو لڑنے کی بھی اصلا نہیں طاقت بھائی
شل نے بھی شل ہوئے دکھنے لگا ہیجا بھائی
اہلِ کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی

پانی پینے کا تو تو بہ جو ذرا دھیان آجائے
ہاتھ مُنہ دھولیں ذرا چل کے تو جان آجائے

تب بڑے بھائی نے اشک آنکھوں میں بھر کر کہا
ذکر پانی کا مناسب نہیں تم کو بھیّا
تشنگی پر شہِ بیکس کی کرو غور ذرا
تین دن سے انھیں قطرہ نہیں پانی کا ملا

دل بھرا آتا ہے اور چھاتی پھٹی جاتی ہے
تشنگی اصغرِ معصوم کی یاد آتی ہے

پیاس سے باقی سکینہ بھی ہے مرنے کے قریں دیکھکر غش میں اُسے روتے ہیں ہر دم تھہ دیں
جائیں دریا پہ تو ہوں والدہ صاحب غمگیں دودھ ہم کو جو نہ بخشیں تو یہ کچھ دور نہیں
میں تری پیاس کے قرباں مرے پیارے بھائی
پانی اب پیجیو کوثر کے کنارے بھائی

کہہ کے یہ دونوں نے حملہ کیا پھر صورت شیر جس جگہ مورچے تھے کر دیا وال الاشوں کا ڈھیر
شدت تشنگی سے آنکھوں میں دُنیا اندھیر سر بسر جسم پہ تھے زخم سنان و شمشیر
بحر خوں پیاسوں کے زخموں سے بہا جاتا تھا
ضُعف ہوتا تھا سوا زور گھٹا جاتا تھا

کہاں دو طفل صغیر اور کہاں لاکھ عدو لڑے اس درجہ کہ شل ہو گئے دونوں بازو
برچھیاں ماریں لعینوں نے جو پا کر قابو ڈگمگانے لگے رہواروں پہ وہ تشنہ گلو
مثل گل ڈوب گئے خون میں جامے ان کے
مُنہ پہ سہرے تھے کہ کٹ کٹ کے عمامے ان کے

ضعف سے ہر نے پہ جھک جھک کے سنبھلے کئی بار غُل مچانے لگے میدان میں تب ظلم شعار
لو مبارک ہو کہ مارے گئے یہ سینہ فگار گرتے ہیں گھوڑوں سے حضرت کی بہن کے دلدار
ٹکڑے ٹکڑے ہیں بدن زخم بہت کھائے ہیں
پاؤں دونوں کے رکابوں سے نکل آئے ہیں

پہنچی گوشِ شہِ مظلوم میں جس دم یہ صدا سر لگے پیٹنے گھبرا کے امامِ دوسرا
رو کے چلّائے کہ افسوس بڑا قہر ہوا ہے غضب ہو گئے دو تیر مرے مجھ سے جدا
آس تھی زینبِ دلگیر کو ان بیٹوں کی!
ہائے اب ہوتی ہے خواہر مری بن بیٹوں کی

یہ بیاں کر کے لگے رونے شہنشاہِ حجاز پہنچی خیمے میں بھی فریاد و فغاں کی آواز
کر گیا رنگ رُخِ زینبِ بے کس پرواز جھک کے ڈیوڑھی پہ پکاری وہ بصد عجز و نیاز
کیا غضب ہو گیا جو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں
میں مری جاتی ہوں صدقے گئی کیوں روتے ہیں

دی یہ حضرت نے صدا تھام کے ہاتھوں سے جگر چار آنکھیں مری تم سے نہیں ہوتیں خواہر
اہلِ کیں رنمیں یہ غُل کرتے ہیں خوش ہو ہو کر ٹکڑے تیروں سے ہوئے زینبِ بیکس کے پسر
نہیں معلوم وہ نرغے میں کہاں ہیں بھینا
بھانجے آنکھوں سے ماموں کی نہاں ہیں بھینا

ابھی زینب سے یہ کہتے تھے شہِ کرب و بلا اور کھڑی ہاتھوں سے سٹپٹی تھی وہ دکھیا
اتنے میں بھانجوں کی آئی یہ حضرت کو صدا لو غلاموں کی خبر لے خلفِ شیرِ خدا
تن سے ہم دونوں کے سر کٹنے کی تیاری ہے
اے مددگارِ جہاں وقت مددگاری ہے

یہ صدا سنتے ہی دوڑے گئے رن میں شہ دیں ۔ نہ فلک سوجھتا تھا اور نہ آنکھوں سے زمیں
میان سے تیغ جو لی ہٹ کے گئے آگے سے لعیں ۔ خوں میں غلطاں نظر آئے انھیں وہ ماہ جبیں

خاک پر گر کے بصد درد پکارے شبیرؑ
ہائے لے بھانجوں قربان ہمارے شبیرؑ

کبھی گھبرا کے محمدؐ کے قبر میں جاتے تھے ۔ عون کے پاس کبھی روتے ہوئے آتے تھے
خون بھری زلفیں کبھی چہرے سے سرکاتے تھے ۔ زخمی بازو کو ہلا کر کبھی چونکاتے تھے

کبھی چلاتے تھے کیوں غم میں ہو تسلیم کرو
اٹھو اے بھانجو ہم آئے ہیں تعظیم کرو

سنکے ماموں کی صدا ہوش میں دونوں آئے ۔ دیکھکر شاہ کا منہ قدموں پہ سر نہ اٹھائے
بھر کے اشک آنکھوں میں یہ بات زباں پر لائے ۔ شکر صد شکر کہ حق نے یہ قدم دکھلائے

کوئی حسرت نہ رہی اے شہ مرداں ہم کو
ماں سے ملنے کا فقط رہ گیا ارماں ہم کو

کہہ کے یہ حسرت دل مر گئے وہ تشنہ گلو ۔ آئے رخساروں تلک آنکھوں سے ڈھلکر آنسو
قبضے ہاتھوں سے چھٹے بہنے لگا تن سے لہو ۔ رہ گئے خاک پہ بل کھا کے وہ پر خوں گیسو

شاہ چلانے لگے ہائے یہ کیا کرتے ہو
ماموں صدقے ہو کہ ماموں کیلئے مرتے ہو

مرثیہ نمبر ۳۴

شہادت حضرت عون و محمد

اُمت پہ پسر اپنے فدا کرتی ہے زینبؑ
سینہ سے دل و جاں کو جدا کرتی ہے زینبؑ
چھٹتے ہیں پسر یاد خدا کرتی ہے زینبؑ
جو صبر کا حق ہے وہ ادا کرتی ہے زینبؑ

گھوڑوں پہ جو وہ دونوں پسر ارمان چڑھے ہیں
کہتی ہے کہ بیٹے مرے پروان چڑھے ہیں

شہ کہتے تھے ہمشیر یہ کیا کرتی ہو دیکھو
اکبرؑ کو مرے بھیجو انھیں ان میں نہ بھیجو!
وہ کہتی ہے صدقے گئی تم اس میں نہ بولو
زینبؑ نے اسی دن کیلئے پالا تھا ان کو

تم تو انھیں رن میں نہیں بھیجو لیتے ہو بھائی
پھر کس لئے ہمشیر سے شرماتے ہو بھائی

بھجوانے کا اکبرؑ کے نہ تم نام لو بھیّا
اکبرؑ کی بلا ان کو لگے وہ رہے جیتا
اوّل تو وہ ہمشکل نبیؐ حسن میں یکتا
اور دوسرے زینبؑ کو ہے سہرے کی تمنّا

آسان مجھے بیٹوں کا داغ اے شہ دیں ہے
ان میں کوئی اٹھارہ برس کا تو نہیں ہے

بچپن میں پلاتی تھی انھیں دودھ کی جو دھار | کہتی تھی کہ اس دودھ کا یہ حق ہے خبردار
ہو جائیو اک روز فدا اے شہ ابرار | یہ ہونٹ ہلا دیتے تھے اور کرتے تھے اقرار

ہر چند کہ چھوٹا ابھی ان دونوں کا سن ہے
پر کیا کروں بھائی کہ یہی صدقے کا دن ہے

یہ کہتی تھی کچھ دھیان میں زینبؑ کے جو آیا | پھر اپنے جگر گوشوں کو خیمہ میں بلایا!
آئے جو لپٹ بیچ میں اکبرؑ کو بٹھایا | اور عون کو گردان کے کئی بار پھرایا

باقی جو محمد تھا یہ رتبہ دیا اس کو
گہوارۂ اصغرؑ پہ تصدق کیا اس کو

بیٹوں کو بھتیجوں پہ فدا کر چکی جس آں | مادر ہی کا تو دل ہے کہ ہو اغم سے پریشاں
بولی کہ سدھارو اسد اللہ نگہباں | تم اکبر و اصغر پہ فدا تم پہ میں قرباں

گلگشت گلستان شہادت ہو مبارک
کوثر ہو مبارک تمھیں جنت ہو مبارک

پھر شاہ کے مجرے کو جھکے دونوں خوشخو | کیا عشق برادر تھا کہا شاہ سے رو رو
زندہ ہیں ابھی پھر انھیں چھاتی سے لگا لو | مرنے پہ تو سو اس بہت آئیگا لوگو

لاش انکی برادر کو اٹھانے نہیں دونگی
مردوں کو کلیجہ سے لگانے نہیں دونگی

یہ اکبرؑ و اصغرؑ کے عوض مرنے ہیں جاتے | ہے وہم کہ صدقہ کو نہیں ہاتھ لگاتے
ہاں صدقے گئی بنکے یہ دولھا اگر آتے | تم شوق سے بیٹوں کو مرے خیمہ میں لاتے
مر جائیں تو مقتل ہی میں چھوڑ آئیو بھائی
لاشوں کو مرے گھر میں نہ تم لائیو بھائی

گھوڑوں پہ غرض عون و محمد ہوئے اسوار | تھی فاطمہؑ کی روح نواسوں کی جلودار
میدان میں وہ شیر جو وارد ہوئے اکبار | لشکر میں ہوا شور کہ ہشیار! ہو ہشیار
ہیں ہیں کے ہاتھوں میں دلیروں کے طرح سے
دو لڑکے چلے آتے ہیں شیروں کی طرح سے

لشکر کی صفیں چیر کے دریا پہ چلے آئے | لہراتے ہوئے دیکھ کے پانی کو کہا ہائے
کیوں مشک سکینہؑ کی نہ کاندھے پہ اٹھائے | کس سے کہیں جو مشک ہمیں خیمہ سے دے جائے
ہاتف نے ندا دی کہ عبث رنج و قلق ہے
سقائی سکینہؑ کی تو عباسؑ کا حق ہے

زینبؑ نے در خیمہ سے یاں ان کو جو دیکھا | پایا نہ کہیں بیٹوں کو گھبرائی وہ دیکھا
فضہ سے کہا بیٹے مرے قید ہوئے کیا | وہ بولی کہ کچھ سنئے کہ کیا کہتے ہیں اعدا
لشکر کی صفیں چیر کے دو روز کے پیاسے
دریا پہ گئے ساقیٔ کوثر کے نواسے

زینبؑ نے کہا کیوں گئے دریا سے غرض کیا | پی لیں گے جو پانی تو غضب اور ہی ہوگا
بھائی ہے مرا تین شب و روز کا پیاسا | فضہؑ انھیں آواز دے یہ دھیان ہے بیجا

اِک بوند بھی پانی کی اگر پی تو ستم ہے
اِک دھار میں دودھ کی بخشونگی قسم ہے

گر پی لیا پانی تو بس اب گھر میں نہ آنا | اب شکل بھی مجھکو نہ دکھانا نہ دکھانا
اب اسکو بھی مرے بھائی کی خاطر نہ کٹانا | راحت کے عوض یہ بھی نہ تم صدمہ اٹھانا

مر جاؤ گے تم گود میں لاشوں کو نہ لونگی
ماموں تمھیں روئینگے تو میں رونے نہ دونگی

فضہؑ ہوئی خیمہ سے رواں جانب میداں | کیا دیکھتی ہے نہر پہ ہے فوج فراواں
زینبؑ کے جگر گوشوں پہ ہے تیروں کا بارا | ناگاہ ہوا شور کہ مشکل ہوئی آساں

لو جان و دل دختر زہرا گئے کام سے
دو روز کے پیاسے لب دریا گئے کام سے

جس وقت یہ ماتم کی خبر شاہ نے پائی | روتے ہوئے گھوڑے پہ چڑھے تاب نہ آئی
عباسؑ سے گھبرا کے کہا کیا کروں بھائی | لو ظالموں نے لوٹ لی خواہر کی کمائی

یہ بھانجوں کا داغ نہیں مجھکو دیا ہے
اکبرؑ کو اور اصغرؑ کو مرے قتل کیا ہے

لاشوں کو اُٹھانے کو چلے سیّد ذیجاہ | عباسؑ اور اکبرؑ بھی ہوئے شاہ کے ہمراہ
روکر کہا زینبؑ نے نہ لائیں انھیں ماں شاہ | میری تو نہ مرضی تھی گئے نہر پہ کیوں آہ
گر پی لیا بن آپ کے پانی تو غضب ہے
مُنھ ان کے نہ دیکھونگی ارادہ یہی اب ہے

رَن میں جو گئے شاہ تڑپتا انھیں پایا | اک لاش کو خود ایک کو اکبرؑ نے اُٹھایا
جب دونوں کو لاکر صفِ ماتم پہ لٹایا | زینبؑ کو بُلا کر شہ دیں نے یہ سُنایا
تھا عشق انھیں فاطمہ زہراؑ کے خلف سے
پیاسے گئے پیاسے پھرے دریا کی طرف سے

وہ بولی میں صدقے گئی سچ کہتے ہو یہ بات | لو بھائی بھلا سر پہ تو زینبؑ کے رکھو ہاتھ
کھاؤ تو قسم فاطمہ کی اے شہ خوش ذات | دریا کے کنارے تو گئے تھے یہ خوش و فات
کس طرح سے حیدرؑ کے نواسے لڑے دونوں
زہراؑ کی صدا آئی کہ پیاسے لڑے دونوں

اس وقت یہ زینبؑ نے کہا اے مرے دلبر | کچھ کہتے ہو تو کہہ لو کہ اب موت ہے سر پہ
وہ بات کہی چپکے سے دونوں نے برابر | جس بات کو سُنتے ہی تڑپنے لگی مادر
اے وائے حسینا یہی چلاتی تھی زینبؑ
پر لوچھتے تھے اور نہ بتلاتی تھی زینبؑ

اے بی بیو یہ کہتے تھے شبیر کے شیدا
جب ہم نہیں گرے ہم تو وہاں آئی تھیں زہراؑ
روتی تھیں ہمیں اور یہ کہتی تھیں وہ دکھیا
شبیرؑ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے یہ اعدا
یہ کرتے ہیں تاکید وہ مجھ خستہ جگر سے
اب جانے نہ دینا شہ مظلوم کو گھر سے

پھر دیکھا جو زینبؑ نے تو پایا انھیں بے دم
کرنے لگی یہ بین وہ مخدومۂ عالم
میں خوش ہوئی اب تم سے ہو خوش خالق اکرم
واری گئی لو بخشد یا دو دھ بھی اسدم
قربان میں اے حیدر صفدر کے نواسو
ہے ہے مرے پیاسو مرے پیاسو مرے پیاسو

مرثیہ نمبر ۳۵

شہادت حضرت قاسمؑ

دی رَن کی رضا شاہ نے جب ابن حسنؑ کو اِک عید ہوئی مرنکی اُس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو اعدا نے کہا دیکھ کے اس شکِ چمن کو
نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شان اسد اللہ یہ جواں ہے

اتنے میں رجز پڑھنے لگا قاسمِ نوشاہ آگاہ ہو! آگاہ ہو! آگاہ ہو آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ عمّو ہیں حسینؑ ابن علی سیّد ذیجاہ
میں لختِ دل فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا اس کا پسر ہوں

سب جانتے ہیں بختِ پاک کا رُتبہ آدم سے کیا پہلے خدا نے انھیں پیدا
کی شیرِ خدا نے مدد حضرت موسیٰ تھا طور پہ بھی نورِ محمدؐ ہی کا جلوہ
کام آتے ہیں ہر دُکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھُڑا جس نے لیا نام ہمارا

جاں دلِ زہرا کے عبث درپۂ جاں ہو کس سمت کو بھاگے ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سینکڑوں تیغیں علم اک جان کی خاطر
دُنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر!

سیّد نے جو کی ہو کوئی تقصیر بتا دو جوڑا ہو کماں میں جو کوئی تیر بتا دو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر بتا دو اُمّت پہ اگر کھینچی ہو شمشیر بتا دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اِس صابر و شاکر نے سدا صبر کیا ہے

یہ سُنتے ہی فوجوں کو جو جنبش ہوئی اکبار تیغوں کی اٹھی موج میانِ صفِ کفّار
ڈھالوں کا ہُوا ابرِ سیاہ رَن میں نمودار بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیر و نیزی بوچھار
پہنچا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوند نے ڈھالوں کی گھٹا میں

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمّتِ عالی حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
تلوار نے آفت صفِ کفّار میں ڈالی لڑنے کیلئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر صفِ زیں پر

پر شادی و غم ہیں اسی دُنیا میں تو اہم معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولہا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم تیغوں میں گھرے بہ چھپیاں چلنے لگیں باہم

تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

عمؑ کو پکارے کہ چچا جان خبر لو ہوتا ہے غلام آپ کا قربان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو!

ذُریّتِ حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی مُنھ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سُنائی میں ساغرِ کوثر کو تیرے واسطے لائی

پی لے اسے اے لال کہ تر خشک زباں ہو
دادی ترے صدقے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

لب بند کئے قاسمِ نوشاہ نے اک بار یعنی نہ پیوں گا کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
دُنیا سے سفر کر گیا وہ آئینۂ رُخسار لاش اُس کی چُرائے لیے شہ سکینہ و ناچار

ڈیوڑھی پہ جو پہنچے تو کہا دیکھ کے سب نے
وہ آئے ہیں دولہا تھا بنایا جنھیں سب نے

ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور جو در پر بانوؑ نے کہا لٹ گئی لوگو مری دختر!
فرزند کے لاشے سے لپٹنے لگی مادر سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر
پھر کون رہے بنتِ علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دولہن رہ گئی اور سب نکل آئے

مرثیہ نمبر ۳۶

شہادت حضرت قاسمؑ

رنمیں باندھے ہوئے سہرے کو جو آئے قاسمؑ
تھے کفن بیاہ کے جوڑے کو بنائے قاسمؑ

فوج اعدا ہوئی مصروف ثنائے قاسمؑ
واہ کس شان سے تشریف ہیں لائے قاسمؑ

اِک برائی کو بھی ہمراہ نہیں لائے ہیں
لشکر حسن جلو میں یہ لئے آئے ہیں

اس نے پھل باغِ جوانی کا نہیں پایا ہے
اپنے عمو پہ فدا ہونے کو یہ آیا ہے

صدمۂ نو فلک پیر نے دکھلایا ہے
شدّت تشنہ دہانی سے بھی گھبرایا ہے

یہ اگر قتل ہوا روح حسن روئے گی
کیسی بیتاب ہو گھونگھٹ میں دلہن روئے گی

کوئی بولا کہ ترس کی یہی جا ہے واللہ
رات کو خیمۂ شبیرؑ میں تھا اس کا بیاہ

دن کو مرنے کیلئے آیا ہے یہ غیرت ماہ
کس طرح قتل کریں دولھا کو ہم واویلا

تیغ ظالم سے اگر اس کا جدا سر ہوگا
شہ کی بیٹی کو نہ رنڈسالہ میسّر ہوگا

گوش زد جب لبِ سپر سعد یہ حرف ہوا ! | شمرؑ سے کہنے لگا فوج میں کیا ہے چرچا !
جنگ قاسمؑ سے ہر اک حضرت اولاد پھرا | دیکھ کے اس کو طمع زر مری جانب لے آ !

بغضِ اکبرؑ سے ہے نے قاسمؑ دلگیر سے ہے
کام اہم کو تو فقط اک سرِ شبیرؑ سے ہے

شمرِ لعین ملعون طرفِ قاسمؑ نوشاہ چلا | اور بصد عجز یہ نوشہ سے ہوا وہ گویا
تم پہ اے ابنِ حسنؑ ہم نہیں کرنے کے جفا | آؤ لشکر میں ہمارے نہ کرو خوف ذرا

ہاتھ عمو کی رفاقت سے اٹھاؤ قاسمؑ
منتظر ہم ہیں کھڑے سب ادھر آؤ قاسمؑ

یہ بیاں شمرِ ستمگر نے جو قاسمؑ سے کیا | بدن قاسمؑ نوشاہ حزیں کانپ گیا
اور یہ فرمایا کہ اے شمرِ لعینؑ تو کہتا ہے یہ کیا | مجھکو شبیرؑ کی خدمت سے تو کرتا ہے جدا

مضطرب کیا دلِ غمدیدہ مرا ہوتا ہے
کہیں سایہ بھی بھلا تن سے جدا ہوتا ہے

کہکے یہ سہمے کی لڑیوں کو لپیٹا اکبار | تیغ کو کھینچ کے حملہ کیا سوئے کفار
صورتِ برقِ شرر بار جو چمکی تلوار | ہو گئی خاک سیہ جس کے صفِ بدکردار

منہ سوئے خیمہ جو نوشاہ پھرا دیتے تھے
بارک اللہ کی شبیرؑ صدا دیتے تھے

مرحبا کہتے تھے جس وقت امام ابن امام
جھک کے تب ابن حسنؑ عمو کو کہتے تھے سلام
اور لب خشک دکھا کر یہی کرتے تھے کلام
اے چچا پیاس کلیجے کو دیتی ہے قاسم کو تمام
شاہ کہتے تھے کہ ممکن نہیں جانی پانی
آج سب خورد و کلاں کرتے ہیں پانی پانی

ناگہاں مرگ نے مجرا بنے قاسمؑ کو کیا
پھل ملا باغ شہادت سے اسے نیزہ کا
لشکر ظلم میں اس دم یہ ہوا غل برپا
رانڈ رو دکھیا زن بیوہ کا پسر قتل ہوا
فاطمہؑ روئیں حسن خلد میں ناشاد ہوئے
رات کی بیاہی کے ارمان بھی برباد ہوئے

یہ صدا سنکے لگے رونے شہنشاہ زمن
اور سر پٹتی تھی خیمہ میں اک شب کی دلہن
کہتی تھی زینبؑ ناشاد سے رو کر یہ سخن
چھپ کہی اماں مجھے اسدم ہے بڑا رنج و محن
بجھ گویا کہ ہے کبرا کی نکلتی اسدم
ایک برچھی سی کلیجہ پہ ہے چلتی اسدم

خیمۂ شاہ میں تھا غلغلۂ شیون و شین
چلے سر کھولے ہوئے لاشۂ قاسمؑ پہ حسینؑ
پہونچے جب لاشہ قاسمؑ پہ امام کونین
دیکھا کیا خاک پہ ہے لوٹا وہ نور العین
رو کے چلائے کہ دو روز کے پیاسے دولھا
اٹھ لے گیا ہو مظلوم چچا سے دولھا

بند کر آنکھوں کو قاسمؑ نے کہا اے شہ دیں | یہ بتا دیجئے ہمراہ سکینہؑ تو نہیں
نیگ اب مانگے گی مجھ سے جو وہ ہو کر غمگیں | شرم آئیگی مجھے روح بھی ہوگی حزیں
شاہ بولے وہ نہیں ساتھ ہمارے بیٹا
فاطمہؑ روتی ہے لاشہ پہ تمہارے بیٹا

چشم خونبار کو نوشاہ نے اُس دم کھولا | قدم سرور کونین پہ رکھوا ماتھا
پھر نشاں نعلوں کے دکھلا کے چچا سے یہ کہا | آپ اس جسم کا لے لیتے تھے اکثر بوسا
تیر سے پہلے یہ تن خانۂ زنبور کیا
گھوڑوں کی ٹاپوں سے پھر سارا بدن چور کیا

شہؑ نے بوسہ دیا ہر عضوِ بدن کے اُوپر | اور کہا وقت وصیت ہے یہ اے نور نظر
تب یہ قاسمؑ نے کہا سبط نبی سے رو کر | مجھ پہ حق بانوئے بیکس کا بہت ہے سرور
اس طرح آپ سے حال پہ احساں کرنا
اُن کے اکبرؑ پہ مری لاش کو قرباں کرنا

شہ مظلوم کو اب ضبط کا یارا نہ رہا | اور کہا تم پہ میں صدقے جو کہا تم نے کیا
چاہتی ہے تمہیں اکبر کیطرح وہ دکھیا | اُس کی اِک آنکھ ہو تم ایک ہے اکبر بیٹا
پیٹ کر سینہ و سر تیرے لئے روتی ہے
جان کو کھوتی ہے اور تم پہ فدا ہوتی ہے

سُن کے یہ گلشنِ جنّت کو سدھارے لو شاہ
لاش کو لیکے چلے خیمہ کی جانب وہ شاہ
تھا درِ خیمہ پہ فرزند حسن عبداللہ
اُس نے چلّا کے کہا ماں سے بصد نالہ و آہ

عرش پر دادی کے رونے کی صدا جاتی ہے
رن سے لوٹی ہوئی قاسمؑ کی برات آتی ہے

خیمۂ شاہ میں جسوقت یہ پہونچی یہ خبر
لاتے ہیں لاشۂ قاسمؑ کو شہِ جن و بشر
سر سے اوڑھنی کو بُرقعے کو اُتاری لو کر!
دے کے فضّہ کو لگی کہنے یہ بادیدۂ تر

دھوپ میں لاشۂ قاسمؑ کو بچا اے فضّہ
تو یہ چادر تنِ زخمی پہ اُڑھا اے فضّہ

آئے روتے ہوئے خیمہ میں امام دوسرا
اور مسند پہ کیا لاشا ابن حسنؑ کا لاشا
لاش کی سمت سے دولہن نے لیا مُنھ کو پھرا
کچھ تو شرم آئی اُسے اور ہوا کچھ جوشِ بکا

غم تھا ایسا کہ ہر اک سُنکے جان دیتا تھا
کڑوے میں لاشۂ فرزند حسنؑ لیتا تھا

مرثیہ نمبر ۳۷

شہادت حضرت قاسمؑ

گھوڑے سے جبکہ قاسمِ گلگوں قبا گرا غل پڑ گیا بیرہ مشرکلک ثنا گرا
صفدر جری بہادر و شیر و غا گرا خوں میں نہا کے لختِ دلِ مجتبےٰ گرا
گرتے ہی فوجِ ظلم کا مجمع بہم ہوا
زخمی پر آہ نرغۂ فوجِ ستم ہوا

مارا کسی نے پشت پہ نیزے کو تان کے کھٹکی سنانِ ظلم کلیجہ میں آن کے
کوئی تبر لگا گیا مظلوم جان کے تیغہ کسی کا چل گیا سر پر جوان کے
پہلو بھی دونوں ہاتھ بھی یکسر فگار تھے
دولھا کا ایک جسم تھا حربے ہزار تھے

حضرت کو دی صدا کہ چچا جان آیئے خادم ہوا حضور پہ قربان آیئے
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان آیئے سر کاٹنے کا ہوتا ہے سامان آیئے
جلاد پہنچے تیغ دو پیکر لئے ہوئے
قاتل کھڑے ہیں ہاتھوں میں خنجر لئے ہوئے

دم توڑنے لگا جو یہ کہکر وہ دلفگار طبل ظفر بجا صف اعدا میں ایکبار
دوڑے ادھر سے تیغ بکف شاہ نامدار گھوڑوں سے روندنے لگے لاشہ کو واں سوار

سب ٹکڑے ٹکڑے سینۂ پُرنور ہو گیا
ٹاپوں سے مرکبوں کے بدن چور ہو گیا

پہونچے حسینؑ لاش پہ جسکے بچشم نم اٹکا ہوا تھا آنکھ میں ابن حسنؑ کا دم
سر اپنا پیٹ کر یہ پکارے شہ اُمم قاسمؑ اٹھو کہ آئے ہیں ملنے کو تم سے ہم

موڑو نہ آنکھ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
باتیں تو کچھ کرو دمِ آخر حسینؑ سے

کیا بولتے کہ موت نے تھا بے خبر کیا سیدھی نہ آنکھ کی نہ مُنھ اپنا اُدھر کیا
ہچکی کے دم نے تھا وہ بالا جگر کیا بس مسکرا کے باغ جہاں سے سفر کیا

حضرت چلے اُٹھا کے تنِ پاش پاش کو
کاندھا دیا چچا نے بھتیجے کی لاش کو

مقتل سے لاش آنیکی صورت کہوں میں کیا چادر لپیٹ دی تھی کہ اعضا تھے سب جدا
قطرے لہو کے خاک پہ گرتے تھے جا بجا گردن ڈھلی ہوئی تھی لٹکتے تھے دست و پا

عباسؑ روتے آتے تھے اور سر پہ ہاتھ تھا
زخمی فرس بھی دولھا کے لاشہ کے ساتھ تھا

نزدیک رہ گیا جو درِ خیمۂ حرم اکبر وہاں سے بڑھ گئے آگے بچشمِ نم
دیوڑھی پہ راہ تکتی تھی زینبؑ اسیرِ غم پوچھا کہ روتے آئے ہو کیوں کیا ہوا ستم
کی عرض سوئے خلدِ حسنؑ کا پسر گیا
شب کو جسے بنایا تھا دولھا وہ مر گیا

بر پا ہو جب یہ حشر تو کیا آئے دل کو چین غل تھا حرم کے بین کا لاشے کے جا نبین
تھے آگے آگے دولھا کی میتؑ لئے حسینؑ پیچھے یہ کہتی آتی تھی ماں ہائے نورِ عین
پیاسے شہید ہو کے پھرے فوجِ شام سے
واری برات آتی کس دھوم دھام سے

مُنھ ڈھانپے رو رہی تھی جہاں غمزدہ دلہن دولھا کی لاش گود میں لے آ شہ زمن
جلدی لٹا کے میتِ لختِ دلِ حسنؑ روتے ہوئے چلے گئے باہر صبر محن
ماں ننگے سر گری جدِ پاش پاش پر
ماتم کا شور پڑ گیا دولھا کی لاش پر

گھونگھٹ اُلٹ کے چہرے سے کھولا دلہن کا سر مُنھ پہ لگا دے خاک کے چھاپے اِدھر اُدھر
پھینکا زمین پہ ہاتھ سے کنگنا اُتار کر ماتم پڑا جو گھر میں تو پھٹنے لگا جگر
پھیلا دیا کہ اشکوں کا دریا بہا دیا
ماں نے سرہانے لاشے کے لا کر بٹھا دیا

چہرے پہ اپنے ڈال کے پھر گوشۂ ردا — کرنے لگی یہ بین دلہن غم کی مبتلا
دولھا مرے یہ شکل بنائی رن سے کیا — سر ٹکڑے ٹکڑے عضو بدن سب جدا جدا
کٹ کٹ گئی ہیں سہرے کی لڑیاں لڑائی میں
بندھی رہی گلے میں نہ کنگنا کلائی میں

تم تو خوشی خوشی ہوئے راہی سوئے عدم — یہ تازہ رانڈ رہ گئی رونے کو ہے ستم
سبط نبیؐ کی گود میں نکلا تمہارا دم — اے ابنِ عم تباہ ہوئے بچپنے میں ہم
منھ پیٹتی ہوں تم کو توجہ ادھر نہیں
آنکھیں پھرائے سوتے ہو کچھ بھی خبر نہیں

اے دلبر حسنؑ نہیں تھمتا مرا جگر — خنجر کوئی پھراتا ہے رہ رہ کے قلب پر
غربت تمہاری بھولے گی مجھ کو نہ عمر بھر — تم بھی نہ بیکسی کو مری بھولنا مگر
الفت ہے کچھ تو جلد بلا لیجئے مجھے
پائیں پا الحسد کے سلا لیجئے مجھے

کس بات پر کنیز سے صاحب خفا ہوئے — مہر و وفا وہ کیا ہوئی کیوں بیوفا ہوئے
غربت میں فدیۂ پسر مصطفیٰؐ ہوئے — بیوہ ہوئے ہم آپ شہید جفا ہوئے
صاحب تو یہاں سے گنج شہیداں میں جائینگے
رسّی میں ہم بندھے ہوئے زنداں میں جائینگے

مرثیہ نمبر ۳۸

شہادت حضرت قاسمؑ

جب لاشۂ قاسمؑ پہ شہِ بحر و بر آئے — چاک اپنا گریباں کئے ننگے سر آئے
نیزہ لئے ہمشکلِ نبیؐ نوحہ گر آئے — عباسؑ سنبھالے ہوئے تیغ و سپر آئے
دیکھا صفتِ شیر ستمگاروں کو تن کے
حملہ کیا قاتل پہ جگر بند حسنؑ کے

ایک تہلکہ برپا ہوا بھاگے جو بدافعال — گھوڑوں سے گل باغ حسنؑ ہو گیا پامال
دیکھا شہِ مظلوم نے دولھا کا عجب حال — ٹاپوں کے نشاں سینہ پہ ملبوس بدن لال
منھ زرد تھا زخموں کے دہن خوں سے بھرے تھے
مہندی لگے ہاتھوں کو کلیجہ پہ دھرے تھے

دم ٹوٹتا تھا آنکھوں میں کہ حضرت نے پکارا — مارے انھیں اللہ جنھوں نے تجھے مارا
غنچہ کی طرح کر کے تبسم وہ دل آرا — بس گلشنِ جنتؑ کے بسانے کو کہا رے
افسوس کہ بیاہے ہوئے اک شب کے مرے تھے
وہ ساتھ گئے دل میں جو ارمان بھرے تھے

یوں لاش کو فرزندِ پیمبرؐ نے اُٹھایا　　ہاتھوں پہ کمر کو شہِ بے پر نے اُٹھایا
سر خاک سے عباسؑ دلاور نے اُٹھایا　　ٹکڑے جو الگ تھے انھیں اکبرؑ نے اُٹھایا
شبیرؑ کی عبا میں تنِ صد پاش کو لائے
یوں دیوڑھی پہ شاہِ شہیدؑ الاش کو لائے

غل پڑ گیا آئی بنے قاسمؑ کی سواری　　روتی صفِ ماتم سے اٹھیں بیبیاں ساری
فق ہو گئی گھونگھٹ میں دلہن در کی ماری　　سر پیٹ کے فضہؑ در خیمہ سے پکاری
غفلت میں خبر کچھ نہیں ان کو سر و پا کی !
بند آنکھیں کئے سوتے ہیں گود میں چچا کی

باہر گئے شہ لاش کو مسند پہ لٹا کر　　ماں کھولے ہوئے گیسو گری خاک پہ آ کر
اکبرؑ سے کہا بانی سکینہؑ نے یہ جا کر　　لو آئے ہیں مقتل سے بنے خون میں نہا کر
تم دیکھو کہ ماتم کو حرم گرد کھڑے ہیں
وہ بیاہ کی مسند پہ جگر تھامے پڑے ہیں

یہ سن کے جگر ہل گیا منہ صبر نے موڑا　　چہرے پہ ملی خاکِ عزا سہرے کو توڑا
معلوم ہوا بر میں کفن بیاہ کا جوڑا　　تکئے کو بھی سر کا دیا مسند کو بھی چھوڑا
دم گھٹنے لگا بی بیاں جب گھیر کے بیٹھیں
رونے کے لئے خاک پہ منہ پھیر کے بیٹھیں

ماں سے کہا اماں مجھے رونے کی رضا دو کیا کہہ کے دلہن دولھا کو روتی ہے بتا دو
چادر کوئی اجلی سی اگر ہو تو اڑھا دو رانڈیں جو پہنتی ہیں وہ پوشاک پنھا دو
ماتم ہے بپا سینہ زنی چاہیئے مجھکو
اب سوگ میں کالی کفنی چاہیئے مجھکو

ماں نے کہا دل کھول کے رو اے مری دختر بٹھلا دیا زینبؑ نے اُسے لاشے پہ لاکر
لٹکائے ہوئے چہرے پہ نو سالہ کی چادر کرنے لگی یہ بین دلہن جھک کے قدم پر
ہے ہے کہیں تیغوں سے نہ وقف ہوا تم کو
کیا شکل بنا لائے سے بنے کیا ہوا تم کو

دولھا بنے اس اجڑے ہوئے گھر کو تو دیکھو ماتم میں بُرا حال ہے مادر کو تو دیکھو
مُنھ پیٹتی ہے شاہ کی خواہر کو تو دیکھو اپنی نئی بیوہ کے کھلے سر کو تو دیکھو
افشاں ہے نہ سہرا ہے نہ پوشاک ہے صاحب
بالوں پہ بھی چہرے پہ بھی اب خاک ہے صاحب

کس سے کہوں یہ آہ مقدر کی بُرائی تم مر گئے اور ہائے مجھے موت نہ آئی
نوشاہ پہ میداں میں گھٹا غم کی تھی چھائی لوٹا ہے مرا راج دُہائی ہے دُہائی
پیغام فراق آکے اجل کہہ گئی صاحب
بس پیٹنے رونے کیلئے رہ گئی صاحب

صاحب مجھے روز کیلئے بیاہ کے لائے　　صاحب مجھے رنڈسالہ پہنانے کو ہو آئے
صاحب مجھے برباد کیا خون میں نہائے　　صاحب کہو کیا رنج والم تم نے اٹھائے
کچھ بات کرو اب نہیں شرماؤنگی صاحب
لو کھولدو آنکھیں نہیں مر جاؤنگی صاحب

تقدیر نے کیسا یہ مجھے خواب دکھایا　　یاں آنکھ جھپک کر جو کھلی تم کو نہ پایا
کیا بن گئی کچھ حال بھی آکر نہ سنایا　　جانا تھا اِدھر گھر سے کہ لاشہ نظر آیا
جاگے تھے بہت خاک پہ دم توڑ کے سوئے
بیوہ کی خطا کیا ہے جو منھ موڑ کے سوئے

مرثیہ نمبر ۳۹

شہادت حضرت عباسؑ

جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدارؑ نے دیکھا
قبضہ کیا طیش غیظ سے جرّارؑ نے دیکھا
منھ بھائی کا رو کر شہ ابرارؑ نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمکخوارؑ نے دیکھا
تیغوں سے عجب سر و رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقّت ہوئی طاری
اشک آنکھوں سے برسے صفت ابر بہاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
اچھا وہی ہوگا جو مرضی ہے تمھاری
آزردہ نہ ہو منھ سے ابھی کچھ نہ کہینگے
تم جس میں ہو خوش داغ تمھارا ابھی سہینگے

عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
بانو نے کہا غش سے سکینہؑ کو جگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
اسطرح جو شاہ شہدا روتے ہیں بی بی
سر وؑ سے علمدارؑ جدا ہوتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس | اودے ہوئے جاتے تھے لب لعل یہ تھی پیاس
زینب نے کہا آتی ہے لو عاشق عباسؑ | عباسؑ نے گودی میں لیا بڑھ کے بصد یاس

بہتے تھے جو آنسو خلف شیر خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منھ سے چچا کے

عباسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیے جانی | شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی | اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی

لو گود سے اترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ

یہ سنتے ہی اس پیاسی میں اک جان سی آئی | غصہ گئی اور دوڑ کے مشکیزہ کو لائی
رو رو کے یہ کہنے لگی شبیرؑ کی جائی | میں نہ تمہیں چلی آؤں گی گر دیر لگائی

جلد آؤں گا دریا سے یہ فرما کے سدھاؤ
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھاؤ

یہ کہہ کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم | آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم | عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم

یوں خیمے کے پردہ سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

لڑتا ہوا پہونچا لبِ دریا جو وہ جرّار تھا دوش مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار چھیڑا جو ذرا اُڑ کے گیا نہر پہ رہوار
دِل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسِ خوش اطوار بھوئی نہ مگر تشنگیِ سیّدِ ابرار
اُس وقت میں لے ہوا رکابی ہوئے تھے وفادار پانی سے اُٹھائے رہا مُنھ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمّت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

یہ دیکھ کے عباسؑ کی آنکھیں ہوئیں پُرنم سیراب کیا مشکِ سکینہؑ کو بصد غم
مُنھ باندھ کے تسمہ سے رکھا دوش پہ جس دم کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یارب میں بھتیجی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا

دو لاکھ ستمگاروں نے جرّار کو گھیرا وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگ گئے تھے ان لوگوں نے بھی بگو نکو پھیرا یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

لکھا ہے کہ اِک تھا بن و رقہ ستم آرا | تیغ اُس کی لگی دوش مُبارک پہ قضارا
بے دست ہوا حیدرِ کرّار کا پیارا | احمد کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا

دیکھو تو ذرا جرأت سقّائے حرم کو
تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ عَلَم کو

جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علم شاہ | کس یاس سے عباسؑ علمدار نے کی آہ!
اُس دوش پہ بھی تیغ چلی پُشت سے ناگاہ | دونوں نہ رہے دست، جگر بند یداللہ

تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گئے عباسؑ
بازو جو کٹے سرورِ رواں بن گئے عباسؑ

گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہِ ابرار | دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غمخوار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار | غُل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار

تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیر نیاں کا

اکبرؑ نے کہا رو کے ہے نزدیک ترائی | شبّیرؑ پکارے مرے بھائی مرے بھائی
عباسؑ نے آوازِ حزیں اپنی سُنائی | گھبرائیں نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی

بازو ہیں جُدا بہر سلام اُٹھ نہیں سکتا
تن چُور ہے ایسا کہ غُلام اُٹھ نہیں سکتا

شاہ شہدا لاش علمدار سے لپٹے | کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے | زخمی سے مسافر سے مددگار سے لپٹے

یہ جوش تھا رقت کا شہ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

عباسؑ کے بھی آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری | شہؑ نے کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں آہ کہ گیں کھینچتی تھیں ساری | بولا نہ گیا کچھ پہ کرا ہے کئی بار ہی!

بوسے قدم شاہ پہ دینے لگے عباسؑ
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے صدمہ جانکاہ | کانپے کبھی کروٹ لی کبھی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرف شاہ | بولے دم آخر کہ نثار شہ ذیجاہ

روتے رہے شاہ شہدا مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کے سفر کر گیا بھائی

مرثیہ نمبر ۴۰

شہادت حضرت عبّاسؑ

جب قصد کیا نہر کا سقّائے حرم نے
مشکیزہ رکھا دوش پہ اُس بحرِ کرم نے

رو کر یہ برادر سے کہا شاہ اُمم نے
بھائی تمھیں بیٹوں کی طرح پالا تھا ہم نے

مرنے کو نہ جاؤ کہ نشانی ہو علیؑ کی
توڑو نہ ضعیفی میں کمر سبط نبیؐ کی

تم قوّتِ بازو ہو مرے جسم کی جاں ہو
لشکر کے علمدار ہو حیدر کے نشاں ہو

بہتر ہے جو خنجر مری گردن پہ رواں ہو
مرنے کے تمھارے یہ نہیں دن کہ جواں ہو

اِس غم میں کریں صبر یہ وہ غم نہیں بھائی
او جھل ہو ذرا آنکھوں سے تو پھر ہم نہیں بھائی

عباس ہمیں چھوڑ کے مرنے کو نہ جاؤ
میں دردرسیدہ ہوں مرا دل نہ دکھاؤ

مشکیزہ رکھو کاندھے سے آنسو نہ بہاؤ
لو آؤ مری چھاتی سے چھاتی کو لگاؤ!

آندوہ پہ اندوہ ہیں غم ہوتے ہیں غم پر
دیکھو تو عجب عالم تنہائی ہے ہم پر

یہ سُن کے علمدار پہ قسمت ہوئی طاری | سر شاہ کے قدموں پہ جھکایا کئی باری
کی عرض یہ آقا سے بصد گریہ و زاری | ان قدموں پہ حضرت کے فدا جان ہماری
کس کام کے آئے نہ اگر آپ کے آگے
عزت ہو جو مر جائے غلام آپ کے آگے

کام آتے ہیں غیروں کے جو ہوتے ہیں وفادار | حضرت ہیں مصیبت میں کئی دن سے گرفتار
اور میں تو غلام آپ کا ہوں یا شہ ابرار | ٹکڑے ہوئی سب فوج نہ یاور ہے نہ انصار
قاسم کے بچھڑنے کا بڑا دل پہ تعب ہے
اب بھی جو نہ صدقے ہو یہ خادم تو غضب ہے

باقی ہے غلام آپ کا یا اکبر ذیجاہ | خادم کا وہ شہزادہ ہے اور آپ شہنشاہ
وہ گیسوؤں والا جو ہوا عازم جنگاہ | کونین میں پھر میرا ٹھکانا نہیں واللہ
مر کر بھی ہم اس رنج سے آزاد نہ ہوں گے
ماں دودھ نہ بخشیں گی پدر شاد نہ ہوں گے

عباسؑ نے یہ درد دل اپنا جو سنایا | شبیرؑ کو رونے کے سوا کچھ نہ بن آیا
فرمایا کہ تم سے ہمیں قسمت نے چھڑایا | افسوس کہ تم نے مرا لاشہ نہ اٹھایا
اب تم کو نہ روکیں گے نہ گھبراؤ برادر
چھاتی سے پھر اک بار لپٹ جاؤ برادر

جھکنے لگا سردار کے قدموں پہ علمدار | لپٹا کے گلے رونے لگے سیّد ابرار
فرماتے تھے صدقے میں ترے امرِ غمخوار | اب فاطمہؑ کا لال ہوا بیکس و ناچار
صدمہ نہ ہوا تھا یہ جدائی سے کسی کی
اس وقت کمر ٹوٹ گئی سبط نبیؐ کی

اے جانِ برادر تری شوکت کے میں صدقے | ہے ہے مرے بانو تری الفت میں صدقے
اے رستمِ لشکر تری ہیبت کے میں صدقے | اے ثانیٔ جعفر تری صورت کے میں صدقے
آفت تری فرقت کی نہیں ٹلتی ہے بھائیؑ
اس وقت کلیجہ پہ چھری چلتی ہے بھائیؑ

تو مرنے چلا ہائے اخی ہائے اخی ہائے | اب بیکس و بے یار ہوا سبط نبیؐ ہائے
اُمت نے محمدؐ کی مری قدر نہ کی ہائے | مر جاؤں گا غم میں ترے عباسؑ علی ہائے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی ملتا ہے برادر
اب دم مرا گھبرا کے نکلتا ہے برادر

ناگاہ درِ خیمہ سے فضہ یہ پکاری | غش ہو گئی ہے پیاس سے پھر آپکی پیاری
کہواتے ہیں اصغر بھی سسکتا ہے میں واری | عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسولؐ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیرِ خداؑ کی

دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرت شبیرؑ | پانی اسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
سر جس سے ٹکراتی ہے یاں بانو دلگیر | للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لئے ماں سے یہ منھ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

فضہؑ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ | روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمت للہ | پانی کا ادھر شور اُدھر ماتم نو شاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہ تو پڑی تھی
بچے کو لئے بانو سے ناشاد کھڑی تھی

اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہ ابرار | آواز پہ سنکے سکینہؑ ہوئی ہوشیار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار | قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہوئے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہؑ

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی | سر جھکے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
روتی ہوئی زینبؑ جو قریں بھائی کے آئی | حضرتؑ نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

یہ سُن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان
اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
ہاتھوں سے چلے تم بھی مرے آہ چچا جان
رکھدیجے مری مشک کو للّٰہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھکو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھکو

پہلے شہ ابرارؑ کو سمجھاؤ تو جاؤ!
پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
کچھ دیر نہ ہوگی یہ قسم کھاؤ تو جاؤ
مانوں گی نہ میں نہر سے جل لاؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کھودیں تمھیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی
بی بی کے پلانے کے لئے لاتے ہیں پانی
رُکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی
کیا دل سے بھلا دینگے تری تشنہ دہانی
بیشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

چپ ہوگئی یہ سُنکے سکینہؑ جگر افگار!
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہ ابرارؑ
تھرانے لگی زوجہ عباسؑ علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینہ میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں پر چاند سا فق تھا

حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار | غم تھا کہ یہ شب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار | تکتی تھی کن انکھیوں سے کبھی سوئے علمدار

بیتابی میں دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کی بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

منھ پھیر کے نہ رو بہ کو یہ کرتے تھے اشارا | شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا | دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا

ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ
روتی ہو تو کبرا کی طرف دیکھ کے روؤ

سوز

جبکہ مارے گئے دریا کے کنارے عباسؑ | اور لب تشنہ ہی کوثر کو سدھارے عباسؑ
شہ نے فرمایا کہ ہے ہے مرے پیارے عباسؑ | اب نہیں جینے کے ہم غم میں تمہارے عباسؑ

سچ تو یہ ہے کہ تمھیں ہاتھ سے کھویا میں نے
زندگانی کا مزا ہاتھ سے کھویا میں نے

مرثیہ نمبر ۴۱

شہادت حضرت عبّاسؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علمدارؑ کے بازو | شانوں سے جدا ہو گئے جرّار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غمخوار کے بازو | تھرّانے لگے سیّد ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا تصویر الم ہو گئے شبّیرؑ
صدمہ یہ ہوا ضعف سے خم ہو گئے شبّیرؑ

اکبرؑ سے کہا کردو گریباں مرا پارا | ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
عاشق مرے بچّوں کا زمانہ سے سدھارا | فرما کے یہ حضرتؑ نے عمامہ کو اتارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہؑ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہؑ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہ والا | سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا | چلّاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھر پڑتے تھے شبّیرؑ
گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شبّیرؑ

کہتے تھے اُٹھا کر یہ علی اکبر ذیجاہ | دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ | عباسؑ علی کھو گئے دنیا ہمیں آہ!

اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
اکبر ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے | عباسؑ علمدار سسکتے نظر آئے
اکبرؑ نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے | بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے

جھکنے جو لگے کان پہ غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

ہے ہے شہ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ | صدمے سے تڑپنے لگے عباسؑ دلاور
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر | بتلا دو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور

اکبر نے کہا غم شہ والا کو بڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

سر کا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے | پھیرو مرے لاشہ کو میں قربان تمہارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے | قبلہ کی طرف چاہیئے منہ اے مرے پیارے

بیدست ہوں اس وقت یہ احسان کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے روتے ہو بابا کو اُٹھاؤ
للہ زمیں سے شہ والا کو اُٹھاؤ
میں اُٹھ نہیں سکتا تمھیں آقا کو اُٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے مولا کو اُٹھاؤ

واجب ہے بسیر مصحف ناطق کا ادب ہے
قرآں کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے

غش میں یہ سخن سُنکے پکارے شہ ذیشاں
یہ کس کی صدا ہے میں اس آواز کے قرباں
اکبرؑ نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جاں
مِل لیجئے کہ عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں

پھر ہو نہ سکا ضبط امام ازلی سے
لپٹے شہ دیں لاشۂ عباسؑ علی سے

چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مرے بھائی مرے بھائی
اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی

سینہ میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

خشکیدہ زباں کو جو نہیں بات کا یارا
کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم کو اشارا
پتلی بھی پھری جاتی ہے مُنھ زرد ہے سارا
معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا

کروٹ یہ نہیں بھائی سے مُنھ موڑ رہے ہو
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

یہ کہتے ہی حضرت پہ جو رقت ہوئی طاری | عباسؑ علمدار کراہے کئی باری
اُلٹا جو دمِ آنکھ میں تو آنسو ہوئے جاری | تن رہ گیا اور روح سوئے خلد سدھاری
چلّا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہؑ
نکلا تھا دم ان کا کہ نکل آئی سکینہؑ

یوں کہنے لگی دوڑ کے فضہؑ جگر افگار | جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی بدکار
چلّائی بہن ڈیوڑھی سے یا سیّد ابرار | تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہؑ جگر افگار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباسؑ کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرورؑ | دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئی ٹوپی نہیں سر پر | جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے
بتلا دو مجھے بہرِ خدا نہر کدھر ہے

سقّہ کا مرے نام ہے عباسؑ علمدار | تصویر علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار
کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار | پیاسی ہو مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
پھر آپ کی قسمیں انھیں دینے کو چلی ہوں
میں اپنے چچا جان کے لینے کو چلی ہوں!

لاشہ پہ عبا ڈال کے شبیرؑ پکارے کیوں گھر سے نکل آئیں مری جان تمہارے
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا پیاس کے مارے حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر
تم ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسؑ دلاور
اکبرؑ نے کہا رو کے نہ مانے گی وہ دلبر حضرت نے کہا لاشۂ عباسؑ دکھا کر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
لو دیکھ لو یہ شیر سے عباسؑ پڑے ہیں

میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی حضرتؑ نے عبا بھائی کے چہرے پہ اڑھائی
چلائی سکینہؑ کہ دہائی ہے دہائی ریتی پہ علمدارؑ نے یہ شکل دکھائی
تھرانے لگا لاشۂ سقائے سکینہؑ
آنے لگی لاشے سے صدا ہائے سکینہؑ

مرثیہ نمبر ۴۲

شہادت حضرت عباسؑ

جب زائرِ حسینؑ پہ عباسؑ مر گئے
صدمے غضب کے سبطِ نبیؐ پہ گزر گئے
خنجر الم کے دل سے جگر تک اُتر گئے
چلاتے تھے کہ شیر ہمارے کدھر گئے
واحسرتا کہ بے کسِ و بے یار ہو گئے
سر کیسے پیٹیں ہاتھ تو بے کار ہو گئے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی کہ اے شاہِ ما زل
رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلئے گھر میں لاشِ علمدارِ نوجواں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بیبیاں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علیؑ نہ آئے
بچوں کو ساتھ لیکے سکینہؑ چلی نہ آئے

چادر اُوڑھا کے وہاں سے امامِ امم چلے
فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
اکبر تو آگے لیکے وہ پُرخوں علم چلے
سر ننگے پیچھے سیّدِ عالی ہمم چلے
جنگل میں شور نالہ و فریاد و آہ تھا
حضرت کے پیچھے اسپِ علمدار شاہ تھا

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بے خبر — حضرت کو اس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ الٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر — سیدانیوں اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر

اکبر علم لئے ہیں علی کے نشان کا
گھوڑا ابھی خالی آتا ہے اس نوجوان کا

سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباسؑ کٹ گئے — سیدانیوں کے تن سے لہو اور چھٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے — رنگ اڑ گئے الم سے کلیجے الٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
نیچے کی سمت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے — سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
چلاتے تھے کہ بھائی بھائی کہاں سے پائے — عباسؑ ساتھ چھوڑ دیا ہائے! ہائے!

چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
سوتے ہوئے ترائی میں چھوڑ آئے شیر کو

لپٹی ہوئی علم سے سکینہؑ جگر فگار — ہے ہے علیؑ کی رانڈوں میں تھی ہر طرف پکار
پرچم پہ یوں چمکتا تھا پنجہ وہ بار بار — سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار

تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت ہی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال — ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے تھے سر کے بال
چلّاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال — میں سر کو پیٹتی ہوں تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی مُنھ کو موڑ کر
مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کر

مر جائے گی کنیز جو صاحب جُدا رہے — وہ کیجئے کہ خلق میں رسمِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے — تھوڑی سی جا میرے لئے پائینتی رہے
بہنوں کا قرب چاہتی ہوں نے عزیز کا
صاحب کے پائینتی ہو سرہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی — جاگے تمام رات کے تھے نیند آ گئی
صورت تمھیں عروسِ شہادت دکھا گئی — کیا خوش نصیب تھے جو اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے اب اس میں سوئیں گے

صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی اِدھر تو آؤ — دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اُٹھاؤ
صورت میرے نباہ کی کوئی بتائے جاؤ — دُنیا تو اب اُجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

اللہ تھا بس آج کی شب تک ہمارا پیار اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے میرے مُنھ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو ایک آن میں نثار کہتے تھے رو کے آپ سے صحبت ہے یادگار

فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوش آمدید کا کیا سبب کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑوں گی ہے غضب
حیران میں دونوں ہاتھوں کو جوڑتی ہوں اب تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب

چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحبؑ کے سلسلہ میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار بانوئے شاہدیں نے کیا یہ بحال زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال میں نثار لے جایئے علم کو اب اے شاہ نامدار

ماتم میں کوئی اور مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے کہ غم سے بیوہ عباسؑ مر نہ جائے

زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورؑ زمن لے کر نشاں کو جایئے کہاں اب یہ بے وطن
اب تو نہ فوج ہے نہ علمدار صف شکن گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ اب اے بہن

لو یہ نشانِ شہ دلدل سوار لو!
پٹکا علم کا کھول لو پنجہ اُتار لو!

جب سُنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام سر اُٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
لو الوداع اے حرم سیّد انام رایت لٹا کے خاک پہ کہنے لگے امام

بس اَب مجھے عَلم نہ علمدار چاہیئے
پیاسے گلے پہ خنجر خونخوار چاہیئے

پر خون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر تکمے کھُلے تھے کرتوں کے کھڑے تھے جگر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر سہما ہوا تھا ایک تو ایک پیٹتا تھا سر

زُلفوں پہ گرد تھی تو رُخوں پر غبار تھے
چہروں سے درد بے پدری آشکار تھے

چھوٹا یہ شاہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا
آیا عَلم پھر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا چھوٹے سے رو کے پھر یہ بڑے بھائی نے کہا

اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گزر گئے
بھیّا تمہیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُنکے نہر کی جانب وہ بے پدر اُٹھ کر پکارے شاہ کہ بیٹے چلے کدھر
ننّھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر

مَیّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

مرثیہ نمبر ۳۱

رخصت حضرت علی اکبرؑ

اے مومنو اولاد کا مرنا بھی ستم ہے
سب غم تو ہیں لیکن یہ عجب طرح کا غم ہے
جو رنج و مصیبت ہے وہ اس صدمہ سے کم ہے
سو راخ جگر ہوتا ہے جس سے وہ الم ہے
ممکن نہیں صبر آئے جو ماں باپ کے جی کو
یہ داغ تو اللہ نہ دکھلائے کسی کو

یہ داغ نہ دشمن کو بھی اللہ دکھائے
یہ برچھی کسی کے نہ کلیجہ میں در آئے
قسمت نہ کسی گھر کا چراغ آہ بجھائے
ماں باپ سے فرزند کو خالق نہ بچھڑائے
آرام بس اس درد سے الدم نہیں ملتا
یہ زخم ہے وہ جس کا کہ مرہم نہیں ملتا

اٹھارہ برس کا ہے پسر گیسوؤں والا
اک جوگ گنوا کر جسے ماں باپ نے پالا
مہر پدری سے ہے کلیجہ تہ و بالا
مالک ہیں مگر صبر و رضا کے شہ والا
بیٹے کی جوانی پہ تاسف نہیں کرتے
ہے آگ لگی دل میں مگر اف نہیں کرتے

کہتے ہیں جگر چاک ہو یا دل ہو دو پارا | اکبر کا ہمیں داغ جوانی ہے گوارا
بیٹے کی محبت سے کیا آج کنارا | امت سے زیادہ نہیں کوئی ہمیں پیارا
اولاد کی اُلفت کا نہ کچھ دھیان کریں گے
سب گھر رہِ معبود میں قربان کریں گے

فرماتے ہیں زینب سے کہ بھینا اِدھر آؤ | اکبرؑ کو مرے آخری پوشاک پہناؤ
کنگھی بھی کرو بالوں میں سرمہ بھی لگاؤ | تم آج مرے لال کو دولھا بھی بناؤ
حسرت دلِ غم دیدہ میں اس آن نہ رہ جائے
دولھا نہ بنے ماں کو یہ ارمان نہ رہ جائے

زینبؑ کو تو حیرانی ہے اور بانوؑ کو سکتا | کچھ کہہ نہیں سکتی ادب شہ سے وہ دکھیا
اکبر بھی کھڑے روتے ہیں نیوڑھائے سر اپنا | ماں کو کہ جلی ہاتھوں سے تھامے ہے کلیجا
کہوارۂ اصغر پہ تو سر اس کا دھرا ہے
اور آنکھوں سے اک آنسوؤں کا تار بندھا ہے

شہ کہتے ہیں فرزند کو مرنے کی بھلا دو | اس وقت محبت علی اکبر کی ہٹا دو
خالق کو کرو یاد انھیں دل سے بھلا دو | ماں کہتی ہے کس طرح کروں صبر بتا دو
گھر دیدہ و دانستہ ڈبویا نہیں جاتا
اکبر سا پسر ہاتھ سے کھویا نہیں جاتا

اس آتما کی آنچ سے جلتا ہے کلیجہ | مُنھ سے کوئی سا عورت میں نکلتا ہے کلیجہ
بیتاب ہو سینہ میں اُچھلتا ہے کلیجہ | نے دل کو ہے تسکین نہ سنبھلتا ہے کلیجہ

سمجھی نہیں میں کیا مجھے سمجھاتے ہو صاحب
اکبر کو کروں صبر یہ فرماتے ہو صاحب

مر جاؤنگی بچھڑیگا جو مجھ سے مرا جایا | جب کھوئی ہے دولت تو ہے اس لال کو پایا
اٹھارہ برس سے ہے یہ اک جوگ کمایا | پھر پاؤں گی کیونکر جو انھیں آج گنوایا

اب خیر سے اُنیسواں بھی سال قریب ہے
ماں ہوں میں کلیجہ مرا پتھر تو نہیں ہے

حضرت کو بھی یہ داغ نہ ہوگا گوارا | سمجھی مرے صاحب یہ انھیں کل ہے اشارا
گر آپ کی مرضی ہے تو جائے مرا پیارا | مجبور ہیں ناچار ہیں کیا زور ہمارا

شکوہ ہے نہ حضرت سے نہ کچھ اس کا گلہ ہے
صدقے گئی تقدیر سے بالو کا گلہ ہے

رخصت یہ عبث مانگتے ہیں سر کو کٹائیں | میں انکو نہیں روکتی مختار ہیں جائیں
اٹھارہ برس کی مری دولت کو لٹائیں | اس چاند سے سینہ پہ سناں ظلم کی کھائیں

مر جاؤنگی! مر جاؤنگی! پروا انھیں کیا ہے
جو انکی خوشی خیر ہمارا بھی خدا ہے

کہکر یہ سخن رونے لگی بالوئے بے پر | قدموں پہ گری ماں کے جناب علی اکبرؑ
کی عرض کہ بندے سنے ہوں آپ مکدّر | میں کیا کروں ہر طرح ہے مشکل مرے سر پہ
تم چھٹتی ہو مرنے کو اگر جاتا ہوں گھر سے
دوں ساتھ تمہارا تو بچھڑتا ہوں پدر سے

ہر چند کہ حق آپ کا بندہ پہ بڑا ہے | کس دکھ سے مجھے پالا ہے کیا رنج سہا ہے
پر باپ کی مظلومی پہ بھی رونے کی جا ہے | بے دینوں میں تنہا پسر شیرِ خدا ہے
اکدم میں ہے تیغ محمدؐ کا جگر ہے
زہراؑ کا کلیجہ ہے یہ کچھ تم کو خبر ہے

ماں بولی میں کس طرح کروں صبر مرے جاں | واری مرے دل کا کوئی نکلا نہیں ارماں
کیسو بھی بڑھائے نہیں منّت کے میں قرباں | دولہن تری دیکھی نہیں اے اکبر ذیشاں
کن منّتوں سے کیسی مرادوں سے پلے ہو
جب بیاہ کے دن آئے تو مرنے لو چلے ہو

اکبرؑ نے کہا! تھا یہی تقدیر کا لکھا | کس طرح سے فرزند کا تم دیکھتیں سہرا
یہ دار فنا جیت رہا اندوہ کی ہے جا! | بس صبر کرو بیاہ نہ دیکھا تو نہ دیکھا
کیا غم یہ کسی ماں پہ گزرتا نہیں اماں
بن بیاہا پسر کیا کوئی مرتا نہیں اماں

بانو نے کہا روکے یہ سچ ہے مرے دلبر | پر بیٹے کو مرنے کو نہیں بھیجتی مادر
شہ بولے جو ماں کہتی ہے مانو علی اکبر | کس طرح یہ چھاتی پہ رکھے صبر کا پتھر

بابا ہی کو شمشیر و سناں کھانے دو بیٹا
کیوں روکا ہے مرنے کو ہمیں جانے دو بیٹا

پھر رو کے یہ فرمانے لگے سیّد ابرار | ہم جاتے ہیں بانو علی اکبر سے خبردار
اکبر سے یہ فرمایا کہ اماں بہنوں سے ہوشیار | ناموس کا ہم تم کو کئے جاتے ہیں مختار

غم میری جدائی کا اٹھانا علی اکبر
اور رانڈوں کو آفت سے بچانا علی اکبر

ثابت ہوا بانو پہ کہ اب آئی تباہی | بیٹے کو اگر روکا تو وارث ہوا راہی
پھر تخت کہاں اور کہاں مسند شاہی | وہ کیجئے کہ راضی رہیں محبوب الٰہی

گو دل پہ لگے چوٹ کہ صدمہ ہو جگر پہ
بیٹے کو تصدّق کرو زہراؑ کے پسر پہ

جب دل کو یہ سمجھا چکی وہ بیکس و مضطر | بس رو دی بہت دیکھ کے شکل علی اکبر
گہوارہ سے بس ہاتھوں پہ اصغر کو اٹھا کر | حضرتؑ سے کہا لے مرے صاحب مرے سرور

قربان کرو راہ خدا میں جسے چاہو
صدقہ علی اکبر کا نہ لونڈی سے خفا ہو

خیمہ میں عجب رخصتِ اکبر کا ہوا غُل | تھا شور کہ ہوتا ہے چراغ شب دیں گُل
تھے بیبیوں کے بال کھُلے صورتِ سنبل | زہرا کسی دل کو نہ تھی تاب تحمّل !

سیدانیوں میں رونے کی اک دھوم مچی تھی
رُخصت نہ تھی اکبر کی قیامت کی گھڑی تھی

آخر ہوا اک ایک سے رخصت وہ دلاور | اور یاس سے دیکھا طرف بانوئے بے پر
ماں بولی جو کہنا ہو کہو اے علی اکبرؑ | اکبرؑ نے کہا دودھ تمہیں بخشا وہ مادر

وہ بولی نہ اب برچھیاں مارو علی اکبرؑ
لو بخشا یا دودھ سدھارو علی اکبرؑ

سوز

خدمتِ شاہ میں رخصت کو جب آئے اکبرؑ | عرض کی رو کے کہ اے راہ نمائے اکبرؑ
یہ تمنّا ہے کہ میدان کو جائے اکبرؑ | آپ اب جائیے اصغرؑ کو بجائے اکبرؑ

تاب و طاقت نہ رہی بیٹے کی ان باتوں سے
گر پڑے خاک پہ اور تھامے جگر ہاتھوں سے

مرثیہ نمبر ۴۴

شہادت حضرت علی اکبرؑ

خزاں بہار میں یارب کوئی نہال نہ ہو
شباب میں چمن عمر پائمال نہ ہو
مَیں لہو میں نہ بھیگیں یہ سبزہ لال نہ ہو
جُدا ضعیف پدر سے جوان لال نہ ہو
غضب ہے خاک میں سبط نبیؐ کا باغ ملا
پسر کو نیزے کا پھل اور پدر کو داغ ملا

لکھا ہے وا ابتا کی جو نہیں صدا آئی
حسینؑ امام کے چہرے پہ مُردنی چھائی
وہ آہ کی کہ ضریح رسولؐ تھرّائی
روانہ ہو گئی اشکوں کے ساتھ بینائی
سوار دوشِ پیمبرؐ کی آس ٹوٹ گئی
عنانِ صبر جو تھامی لگام چھوٹ گئی

پکارتے ہیں پسر کو پسر نہیں ملتا
جگر میں درد ہے لختِ جگر نہیں ملتا
کوئی رفیق نہ یار و برادر نہیں ملتا
تلاش کرتے ہیں لو زنظر نہیں ملتا
کبھی اُٹھے کبھی سلطانِ مشرقین گرے
لکھا ہے یہ کہ بہتّر جگہ حسینؑ گرے

قدم قدم پہ ٹھہرتے تھے شاہ تشنہ گلو
ہوا میں سونگھتے تھے اپنے لال کی خوشبو
زمین بیٹھ کے گاہے بہاتے تھے آنسو
تلاش کرتے تھے ہاتھوں سے لاش کو ہر سو
جو کوئی پوچھتا تھا کیا حضورؑ ڈھونڈھتے ہیں
تو رو کے کہتے تھے آنکھوں کا نور ڈھونڈھتے ہیں

قریب فوج جو سلطان بحر و بر آئے
پکارے ہنس کے عدو خیر ہے کدھر آئے
یہ کون مر گیا جو آپ ننگے سر آئے
پیادہ دھوپ میں تھامے ہوئے جگر آئے
یہ کون چاند ہوا آج دور آنکھوں سے
کہ چین دل سے گیا اور نور آنکھوں سے

کہا حسینؑ نے رو کر تمھیں نہیں معلوم
ہمارے گھر میں ہے محشر تمھیں نہیں معلوم
بچھڑ گئے علی اکبر تمھیں نہیں معلوم
مٹی شبیہ پیمبر تمھیں نہیں معلوم
رُلانے کو یہ امام امم سے پوچھتے ہو
چھری پھرا کے کلیجہ پہ ہم سے پوچھتے ہو

ہمارے نور نظر کو کہاں چھپایا ہے
بتا دو نیزہ جگر پر کہاں لگایا ہے
گلے پہ تو ابھی خنجر نہیں پھرایا ہے
جو ہوش میں ہو تو کہہ دو حسینؑ آیا ہے
مری طرف سے خبر لو چھپنے کو جائے کوئی
کہا سنا مرا اکبرؑ سے بخشوائے کوئی!

تمھارے تیرِ جفا کا تو میں نشانہ تھا | بھلا نبیؐ کے مرقعہ کو کیا مٹانا تھا
کہ فیضیاب زیارت سے اک زمانہ تھا | جو نیزہ سینہ پہ مارا تھا دل بچانا تھا

گلہ کسی کا نہیں جو ہوا سو خوب ہوا
بتاؤ چاند ہمارا کہاں غروبؔ ہوا

اے آنکھوں والو مرا نور عین کس جا ہے | جوانو بولو مرے دل کا چین کس جا ہے
جوان فاتح بدر و حنین کس جا ہے | ضعیفو عینکِ چشمِ حسینؑ کس جا ہے

کہو رسولؐ کی تصویر کو کہاں کھویا
عصائے پیریٔ شبیرؑ کو کہاں کھویا

پکارا شمر کہ کوئی نہیں بتانے کا | بڑا ثواب ہے سادات کے رُلانے کا
نہ زندہ چھوڑیں گے بچہ بھی اس گھرانے کا | ارادہ ہے علی اصغر کے خون بہانے کا

جو تیر پار ہو ننھے گلے سے عید کریں
تمھاری گود میں شش ماہہ کو شہید کریں

یہ سُنکے اور طرف شہ خوش تناں چلے | کبھی حواس میں اور گاہ بے حواس چلے
نہ تھا یہ ہوش کدھر آئے کس کے پاس چلے | پکارتے ہوئے ہر سو بحال یاس چلے

مرے جواں مرے عاشق مرے جگر بولو
کہاں سدھارے کہاں چھپ رہے ہے قمر بولو

ضعیف باپ کی پیری پہ رحم فرماؤ | قدم قدم پہ نہ جنگل کی خاک چھنواؤ
یہ دیکھو ہنستے ہیں سب ان کو آنکھ دکھلاؤ | علیؑ کا نام لو اور دوڑ کر چلے آؤ

بُلا لو دادا کو نزدیک ہے بخف بیٹا
اکیلے پاؤں نہ گرتے ہو کس طرف بیٹا

یہ کہتے تھے کہ پکارا کوئی ترس کھا کر | کہ ایک شیر وہ گھائل پڑا ہے زیر شجر
کہاں کہاں کہا اور دوڑے سبط پیغمبر | دعائیں دے کے اُسے پوچھنے لگے سرورؑ

بھلا نشان تو دے کیا ثبوت ہوتا ہے
وہ شیر اور ہے یا شیر حق کا پوتا ہے

وہ رو کے بولا کہ ہاں لمبے لمبے گیسو ہیں | علیؑ کے نور کا سانچہ وہ گول بازو ہیں
ستارے خال قمر رُخ ہلال ابرو ہیں | پسینہ عطر ہے کپڑے تمام خوشبو ہیں

بڑا پتہ تو یہ ہے وہ نبیؐ کا ثانی ہے
وداع عمر ہے اور موسم جوانی ہے

یہ سُنکے زیر شجر آئے خوں کی بُو پائی | مگر نہ لاش مفصل انھیں نظر آئی
وہ شوق دیکھنے کا اور وہ ضعف بینائی | تڑپ تڑپ گیا دل اور روح گھبرائی

جدھر سے آئی تھی بُو اس طرف کو جانے لگے
پسینہ آنے لگا پاؤں تھرتھرانے لگے

پکارے گر کے کہاں ہو کدھر ہو اے بیٹا | پلٹنے ہاتھ اُٹھایا اِدھر اِدھر بابا!
یہ حال قبلۂ و کعبہ کا آہ کب سے ہوا | حسینؑ بولے تمہارا مزاج ہے کیسا

کہا پسر نے کوئی دم کی اور ایذا ہے
قدم حضور کے دیکھے مزاج اچھا ہے

یہ سُنکے جانب آواز شاہ تشنہ چلے | قریب پہونچے تو ملنے لگے پکڑ کے گلے
جبین جبیں سے ملی لب پسر کے لب سے ملے | اُٹھا کے سر کو رکھا ایک ہاتھ سر کے تلے

پکارے ہائے غضب چہرہ زرد ہوتا ہے
وہ بولے میرے کلیجہ میں درد ہوتا ہے

وداع ہوتے ہیں جنّت کو جاتے ہیں بابا | یہ دیکھئے وہ پیمبرؐ بلاتے ہیں بابا
برہنہ سر مرے دادا ابھی آتے ہیں بابا | چچا حسنؑ بھی وہ شربت لاتے ہیں بابا

جبین پر موت کا ٹھنڈا پسینہ آتا ہے
رگوں کے کھینچنے سے جی سنسنایا جاتا ہے

یہ کہہ کے کلمہ کی انگلی بلند کی ناگاہ | کہا کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ
پھرا کے آنکھوں کو کی جانب حسینؑ نگاہ | حسینؑ رونے لگے اور پکارے رو کر آہ

میں زندہ بیٹھا ہوں تم میرے آگے مرتے ہو
پدر کو کلمہ کا اپنے گواہ کرتے ہو!!

تڑپ تڑپ کے یہ کہتے تھے سبط پیغمبرؐ | جو آئی کان میں آواز بانوئے مضطر
کہاں ہو اے مرے والی امام جن و بشر | علیؑ کی بیٹی کھلے سر نکلتی ہے باہر

پسر کے حال سے آگاہ کیا امام ہوئے
پکارے سبط نبیؐ وہ ابھی تمام ہوئے

سوز

دلِ صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے | دنیا میں پسر باپ کی زینت کا سبب ہے
اولاد کا ہونا بھی عجب بخشش رب ہے | یہ سچ ہے مگر داغ بھی بیٹے کا غضب ہے

رونے کی ہے جا ظلم نیا کرتی ہے تقدیر
شبیرؑ سے اکبرؑ کو جدا کرتی ہے تقدیر

بیٹا بھی وہ بیٹا کہ جو تصویر پیمبرؐ | اخلاق میں مانند حسنؑ زور میں حیدرؑ
خوش لہجہ و خوش خصلت و خوش وضع سراسر | معشوق جہاں رونق دیں عاشق داور

انصاف سے سب صاحب اولاد بتا دیں
اس طرح کے فرزند کو مرنے کی دعا دیں

مرثیہ نمبر ۴۵

شہادت حضرت علی اکبرؑ

چھٹا جو مہر امامت سے مہ لقا فرزند بدن کا زور ضعیفی کا آسرا فرزند
پدر کا راحتِ جاں ماں کا لاڈلا فرزند زمیں پہ گر کے کہا ہائے دلربا فرزند
جگر پہ برچھی کا پھل کھا کے مر گئے اکبرؑ
ہمیں ضعیفی میں برباد کر گئے اکبرؑ

لٹا گئے مری اٹھارہ سال کی دولت ہوئے جو بیاہ کے قابل تو کر گئے رحلت
نظر سے چھپ گئی ہے وہ چاند سی صورت وہ داغِ حسن جوانی وہ شان و شوکت
نہ آسرا ہے کسی کا نہ اب سہارا ہے!
جوان بیٹے کے مرنے نے ہم کو مارا ہے

ہماری زیست کا دنیا میں اب مزا نہ رہا جواں پسر کا بڑھاپے میں آسرا نہ رہا
قوی تھا جس سے کلیجہ وہ دلربا نہ رہا نظر میں نور تھا جس سے وہ مہ لقا نہ رہا
خدا پہ خوب ہے روشن جو حال میرا ہے
کدھر کو جاؤں کہ چاروں طرف اندھیرا ہے

ستمگروں نے پلایا نہ بوند بھر پانی کیا زمانہ سے پیاسا وہ یوسفؑ ثانی
لگا کے برچھیاں کیا خوش ہیں ظلم کے بانی اُڑائے خاک نہ کیونکر رسولؐ کا جانی
بُلا کے اہل شقاوت نے ہم کو لوٹ لیا
ہمارے نانا کی اُمّت نے ہم کو لوٹ لیا

تباہ کر کے پدر کو چلے گئے اکبرؑ ہمیں بھی ساتھ نہ خدمت کو لیگئے اکبرؑ
بغیر پھولے پھلے خلق سے گئے اکبرؑ ہماری لاش کو مٹی نہ دے گئے اکبرؑ
پسر کا داغ کلیجے کو توڑ دیتا ہے
کوئی یوں بھی باپ کو جنگل میں چھوڑ دیتا ہے

خدا کسی کو نہ دے داغ فرقتِ اولاد! گرے کسی پہ نہ کوہِ مصیبتِ اولاد
بڑا غضب ہے جو لُٹ جائے دولتِ اولاد پیامِ مرگ ہے دنیا سے رحلتِ اولاد
قرار ماں کو نہ بابا کو چین آتا ہے
مزا حیات کا بیٹے کے ساتھ آتا ہے

ابھی تو لڑتا تھا اس فوج سے مرا سردار یہ کیا سبب ہے کہ نظروں سے چھُپ گیا اکبار
چمک رہی تھی ابھی برق کی طرح تلوار ابھی تو بر چھیوں والوں میں تھا مرا دلدار
بتاؤ باپ نہ کیوں اپنا حال غیر کہے
خدا مرے پسر نوجواں کی خیر کرے

یہ کہہ کے لاش کو ہر سمت سے ڈھونڈتے آئے کبھی ٹھہر گئے رقت سے گاہ تھرائے
کبھی اُٹھے کبھی بیٹھے کبھی یہ چلائے ارے کوئی مرے یوسفؑ کی لاش بتلائے
کسی طرف مجھے اُس کا پتہ نہیں ملتا
مرا جوان مرا لقمہ نہیں ملتا

کدھر گیا وہ مرا لمبے گیسوؤں والا! کہاں گرا دیا پیاسے کو مار کر بھالا
بتاؤ کیا ہوا بانوؑ کی گود کا پالا! شبیہِ احمدِ مرسلؐ کو قتل کر ڈالا
مرے کلیجے کو نیزہ سے کیوں فگار کیا
مرے غزال کو کیوں دشت میں شکار کیا

لعیں پکارے کسے آپ اب بلاتے ہیں جو زندہ ہوتا ہے البتہ اس کو پاتے ہیں
ہمیشہ روتے ہیں ماں باپ خاک اڑاتے ہیں موئے ہوئے کہیں پھر زندہ ہاتھ آتے ہیں
یہ آہ و نالہ و فریاد سب ہے بے حاصل
پسر کی لاش کو دیکھا بھی گر تو کیا حاصل

کہا امام دو عالم نے سر کو نہوڑا کر مرے بھی حلق پہ تلوار پھیر دو آ کر!
خوشی ہوئی تمھیں اکبرؑ کو خوں میں نہلا کر حسینؑ روئے گا میت گلے سے لپٹا کر
ضرور ہے جسدِ پاش پاش پر رونا
مرے نصیب میں ہے اُن کی لاش پر رونا

یہ کہہ کے رَن کی طرف شاہِ کم سپاہ چلے جگر کو ہاتھوں سے تھامے باشک و آہ چلے
ہر ایک لاش پہ کرتے ہوئے نگاہ چلے ٹٹولتے ہوئے ہر اک قدم پہ راہ چلے
کلیجہ مُنہ سے تڑپنے میں نکلا آتا تھا
یہ جُھک گئے تھے کہ سیدھا ہوا نہ جاتا تھا

گئے جو رَن میں تو بیٹے کو رو کے چلّائے کہاں ہو اے علی اکبرؑ کہاں کو باپ آئے
کدھر زمین پہ تڑپتے ہو برچھیاں کھائے علیؑ کا لال کہاں تم کو ڈھونڈنے آئے
قدم لرزتے ہیں مشکل یہ راہ ہے بیٹا
ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہے بیٹا

یہ کہہ رہے تھے کہ آوازِ نوجواں آئی صدا سے بیٹے کی حضرتؑ کے تن میں جاں آئی
اِدھر تو خیمہ سے باہر تڑپ کے ماں آئی اُدھر بہشت سے مخدومۂ جناں آئی
گئے حسینؑ تو مُنہ موڑتے ہوئے دیکھا
زمیں پہ بیٹے کو دم توڑتے ہوئے دیکھا

لپٹ کے بیٹے سے چلّائے یوں امامِ زمن میں تیرے زخموں کے صدقے ہوں میرے شاہِ چمن
ستم کی تیغوں سے ٹکڑے ہوا یہ گُل سا بدن چلے تم اے علی اکبرؑ جہاں سے تشنہ دہن
پٹک کے ہاتھ پھڑکتے ہو تپلیاں بیٹا
ہمارے سامنے لیتے ہو ہچکیاں بیٹا

ہمارے حال پہ بیٹا نہ تم کو رحم آیا ضعیف باپ کو ماتم میں اپنے رُلوایا
جوان ہو کے بڑا داغ تم نے دکھلایا اَب ایکدم نہ جئے گا بتولؑ کا جایا

کمر خمیدہ ہے دلِ دردناک ہے بیٹا
تمھارے غم سے جگر چاک چاک ہے بیٹا

کسے خبر ہے جو ہم پر قلق گزرتا ہے نہ دل کو کل ہے نہ سینہ میں دل ٹھہرتا ہے
چھُری سے کوئی کلیجہ کو چاک کرتا ہے سنبھالو اے علی اکبرؑ حسینؑ مرتا ہے

کدھر یہ بیکس و بے یار و آشنا جائے
صدا سُنا دو تو بابا میں جان آجائے

ہمارے گھر کی تباہی کا کچھ نہ آیا دھیان بسایا دشتِ ستم جب کیا خدا نے جواں
برات آئی نہ شادی کا کچھ کیا سامان ملائے خاک میں بانوؑ کے تم نے سب ارمان

بہار پھولوں کے سہرے کی تم سنگھا نہ سکے
دُلہن بھی مادرِ ناشاد کو دکھا نہ سکے

پدر کو خوب جوانی کی شان دکھلائی سناں کلیجہ پہ اس بھوک پیاس میں کھائی
کمائی باپ کی جنگل میں تم نے لٹوائی ہمارے مرنے کے دن تھے سو تم کو موت آئی

تمھارے بیاہ کی دل میں رہی ہوس بیٹا
نہ آیا راس یہ اٹھارواں برس بیٹا

مرثیہ نمبر ۴۶

شہادت حضرت علی اکبرؑ

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ کاروانِ غ || دل کو فگار کرتا ہے نورِ نظر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہے نورِ بصر کا داغ || مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ

یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھئے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھئے

جب برچھی کھا کے گر پڑا اکبر سا نونہال || فرزند فاطمہؑ کا کہوں کس زباں سے حال
لرزہ تھا جسم پاک میں خورشید کی مثال || چلاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال

تھامے ہوئے کلیجہ کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد || ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمہ سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد || مثل کماں خمیدہ مگر گیسوؤں پہ گرد

دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

ہر دم پکارتے تھے کہ اکبر کدھر گئے | اے نورِ چشم بانوئے بے پر کدھر گئے
مرتا ہے باپ اے مرے دلبر کدھر گئے | آواز دو شبیہ پیمبر کدھر گئے

اے میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپ رہے
اے میرے چاند کیا کسی بادل میں چھپ رہے

اکبر ہماری آنکھ کے تارے ابھی تو آتے ہیں | ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھرتھراتے ہیں
کھوئے گئے ہیں خود کہ نہیں تم کو پاتے ہیں | کیا جانے اضطراب میں کس سمت جاتے ہیں

اکبر سنبھال لو کہ نہایت نحیف ہیں
بیٹا ابھی جوان ہو ہم ضعیف ہیں

اے میرے لمبے گیسوؤں والے ترے نثار | اے باپ کی ضعیفی کے پالے ترے نثار
کھائے جگر پہ زخم کے بھالے ترے نثار | بابا کو پاس اپنے بلا لے ترے نثار

فرزند فاطمہؑ کی نحیفی پہ رحم کر!
اے نوجواں پدر کی ضعیفی پہ رحم کر!

بیٹا پکار لو کہ بہت بے قرار ہوں! | بیکس ہوں بے وطن ہوں غریب الدیار ہوں
اہلِ ستم تو ہنستے ہیں میں اشکبار ہوں | آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں

بولو پدر سے تشنہ دہانی کا واسطہ
صورت دکھاؤ اپنی جوانی کا واسطہ

صدقے پدر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے | باغِ جہاں میں آہ نہ پھولے نہ تم پھلے
ناشاد و نامراد ہی اس دہر سے چلے | رو رو کے کیوں نہ دست تاسف پدر ملے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا

بیٹا ہماری آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے | اے نورِ عین باپ کی حالت تباہ ہے
دم چڑھ گیا ہے خالقِ عالم گواہ ہے | جائیں کدھر کہ فوج لعیں سد راہ ہے
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
اب تم ہماری آنکھوں میں بینائی لے گئے

جی چاہتا ہے پھر تمہیں اکبار دیکھ لیں | محبوبِ حق کا آخری دیدار دیکھ لیں
منہ پر لٹکتے ابروئے خمدار دیکھ لیں | ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لیں
اکبر گلے سے لپٹو تو بابا کو کل پڑے
اب ہے یقین کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

آئی کسی طرف سے نہ اکبرؑ کی جب صدا | اعدا کو تب پکارے شہنشاہ کربلا
سبط نبیؐ کے حال پہ اب رحم کی ہے جا | بتلاؤ کس طرف ہے مرا لال مہ لقا
برچھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا
اے فوج شام چاند ہمارا کدھر گیا

اے ظالمو کہاں ہے مرا نوجواں پسر | اس کی تلاش میں ہیں پھرا ہو کدھر کدھر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر | یوسف مرا مجھے کہیں آتا نہیں نظر

کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا
کیا زیر خاک میرے قمر کو چھپا دیا

ہے تم میں کوئی صاحب اولاد یا نہیں | درد دل حسینؑ سے آگاہ کیا نہیں
اس وقت ہوش سبط نبیؐ کے بجا نہیں | یہ حال ہے کہ آنکھوں سے کچھ سوجھتا نہیں

اکبرؑ جو مل گئے تو ٹھہر جائیگا حسینؑ
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مر جائے گا حسینؑ

کہتے تھے اہل ظلم کہ یا سیدالامم | حضرت کے نور چشم سے واقف نہیں ہیں ہم
اک نوجواں تو آیا تھا با شوکت و حشم | چھاتی پہ اس جری کے لگا نیزۂ ستم

دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
گھوڑا کسی طرف اسے لے کر نکل گیا

سچ ہے عجب حسین تھا وہ غیرت چمن | سنبل سے گیسو پھول سا منھ چاند سا بدن
شیریں زباں شگفتہ مزاج اور کم سخن | کیا کیا لڑا ہے لاکھوں سے تنہا وہ صف شکن

چرچے اسی کے حسن کے لشکر میں ہوتے ہیں
یاں کے بھی لوگ اس کی جوانی پہ روتے ہیں

آغاز تھیں مسیں ابھی تھا عالمِ شباب | گویا زمیں پہ چرخ سے اُترا تھا آفتاب
پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب | غیرت یہ تھی کہ پینے کو ہم سے نہ مانگا آب
سو کھے تھے ہونٹ پیاس کی کچھ انتہا نہیں
لیکن طلب سے اس کی زباں آشنا نہیں

برچھی ستم کی ہو گئی سینے کے آر پار | رہوار سے جُدا نہ ہوا پر وہ شہسوار
گھیرے تھے چار سمت سے زخمی کو بدشعار | برسا رہے تھے تیر کماندار دس ہزار
مانند شیر جھومتا تھا قاش زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

برچھی کے ساتھ چھید کے نکل آیا تھا جگر | مانند گل تھی تن کی قبا خوں میں تر بہ تر
تلوار ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں سپر | گہ فوج پر نظر تھی کبھی زخم پر نظر
بیٹھا گلے پہ تیر تو دم اُس کا رُک گیا!
ہاتھوں سے دِل کو تھام کے گھوڑے پہ جُھک گیا!

چلّائے شاہ دیں کہ وہی میرا لال تھا | وہ یوسفِ حسین عدیم المثال تھا
آیا زوال اس پہ جو بدرِ کمال تھا | باغِ محمدی کا وہ تازہ نہال تھا
یہ داغ دِل حسین کو پہلے پہل ملا
برچھی سے اس کو مار کے کیا تم کو پھل ملا

داغ اس الم سے کلیجہ میں پڑ گیا | میں لٹ گیا تباہ ہوا گھر اُجڑ گیا
کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا | سبط نبیؐ کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
صدقے کروں پدر کو تو اس نورِ عین پر
تلوار لا کے پھیر دو حلقِ حسینؑ پر

جنگل سے آئی اتنے میں اکبرؑ کی یہ صدا | اب جاں بلب ہوں ہجر میں یا شاہ کربلا
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشن بقا | حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آلودہ خون بھرا ہوا چہرہ گرد سے
بسمل سا لوٹتا ہوں کلیجہ کے درد سے

سوز

جب چمن خاک میں اکبرؑ کی جوانی کا ملا | پانی پانی کہا اور قطرہ نہ پانی ملا
داغ سیدانیوں کو احمد ثانی کا ملا | شاہ کا کچھ نہ پتا بالو کے جانی کا ملا
رو رو فرماتے تھے طاقت ہے نہ بینائی ہے
بیٹا مارا گیا اور عالم تنہائی ہے

مرثیہ نمبر ۴۷

شہادت حضرت علی اکبر

چھٹا جو شاہ سے پیری میں نوجواں فرزند | حسین و خوش قد و خوش رو و خوش بیاں فرزند
رشید و عابد و ذیجاہ و رتبہ داں فرزند | پدر کے تن کی تواں سارے گھر کی جاں فرزند
بہار جس کی نہ دیکھی خزاں وہ باغ ہوا
قیامت آگئی گھر شہؑ کا بے چراغ ہوا

بدن سے جان چلی جسم تھرتھرانے لگا | پسینہ آگیا جی عؑ شہ کا سنسنانے لگا
پسر جہاں سے چلا زور تن سے جانے لگا | چلے جو رن کو تو ہر گام پر غش آنے لگا
کبھی اٹھے تو کبھی کر کے آہ بیٹھ گئے
جگر میں درد یہ اٹھا کہ شاہ بیٹھ گئے

تھما جو درد پکارے کہ ہائے ہائے پسر | ہزار حیف جلیں ہم جہاں سے جائے پسر
یہ کیا ہے ہم تلک آتی نہیں صدائے پسر | پدر کی زیست کہاں جب نظر نہ آئے پسر
پسر کے داغ نے خنجر جگر پہ پھیرا ہے
چراغ جس میں نہ ہووے وہ گھر اندھیرا ہے

بہار سبزۂ خط کی نہ ہم کو دکھلائی | جب آئے پھولنے پھلنے کے دن تو موت آئی
وہ رُخ وہ نرگسی آنکھیں وہ قد وہ بینائی | وہ گل سا جسم وہ بر میں قبا کی زیبائی

ہوا نہ بیاہ کہ چھوڑا جہانِ فانی کو
اجل نے لوٹ لیا گلشنِ جوانی کو

کبھی دل اور کبھی ہاتھوں سے تھامتے تھے جگر | اُٹھا نہ جاتا تھا مطلق پہ جھک گئی تھی کمر
بہ شکل حضرت یعقوبؑ کہتے تھے رو کر | کدھر گئے مرے یوسفؑ لقا علی اکبرؑ

جو تھا عصائے ضعیفی وہ چھوٹ گیا ہے ہے
پسر شہید ہوا باپ لٹ گیا ہے ہے

خبر نہیں ہے تڑپتے ہو تم کہاں بیٹا | ہماری آنکھوں میں اندھیر ہے جہاں بیٹا
جُدا نہ ہو کسی ماں باپ سے جواں بیٹا | پدر پہ ٹوٹ پڑا غم کا آسماں بیٹا

یہ داغ عالم پیری میں دے گئے ہم کو
گلہ یہ ہے کہ نہ ہمراہ لے گئے ہم کو

اکیلا دلبر زہراؑ کو رن میں چھوڑ گئے | مدد کا وقت جب آیا تو مُنھ کو موڑ گئے
پھر آکے باپ کے آگے نہ ہاتھ جوڑ گئے | سفر میں باپ کی بیڑا اکھر کو توڑ گئے!

ہوئی تمام نہ منزل کہ ساتھ چھوڑ دیا
ضعیف باپ کا جنگل میں ہاتھ چھوڑ دیا

ہزار حیف جواں ہو کے مر گئے بیٹا | پتہ تو ہم کو بتا دو کدھر گئے بیٹا
پدر سے روٹھ کے دادی کے گھر گئے بیٹا | جہاں میں باپ کو بے آس کر گئے بیٹا

بسا یا دشت کو خالق نے جب جوان کیا
ہمارے گھر کی تباہی کا کچھ نہ دھیان کیا

ابھی تو رن سے تم آئے تھے پاس بابا کے | ابھی تو سوتے تھے صدقے تم ابن زہراؑ کے
ابھی میں روتا تھا چھاتی سے تم کو لپٹا کے | ابھی یہ کہتے تھے سو کھی زبان دکھلا کے

کلیجہ پیاس کی گرمی سے آہ جلتا ہے
پلا دو تھوڑا سا پانی کہ دم نکلتا ہے

یہ بین کرتے ہوئے زمین پہ جب شہ دیں پہنچے | تلاش کی پہ نہ بیٹے کی لاش پائی کہیں
ستمگروں کو پکارے کہ دل کو تاب نہیں | بتاؤ جلد کہاں ہے وہ میرا ماہ جبیں

پدر کی گود کے پالے کو کیا کیا تم نے
ہمارے گیسوؤں والے کو کیا کیا تم نے

ہمارے یوسف ثانی کو جلد بتلا دو | رسول حق کی نشانی کو جلد بتلا دو
ستمگرو مرے جانی کو جلد بتلا دو | گل ریاض جوانی کو جلد بتلا دو

دل حسینؑ پہ اک غم کا ابر چھایا ہے
ہمارے چاند کو بادل نے کیوں چھپایا ہے

یہ سُنکے شاہ سے بولے وہ ظُلم کے بانی | کیسے بتائیں کہاں ہے وہ یوسف ثانی
دم اخیر بھی اس کو نہیں دیا پانی | ملے گی لاش نہ اب اے رسولؐ کے جانی

چھدا ہے جس کا جگر وہ پسر تمہارا ہے
ابھی تو نیزوں سے اس نوجوان کو مارا ہے

کوئی بھی ایسا پسر ہاتھوں سے گنواتا ہے | ہزار حیف یہ دولت کوئی لٹاتا ہے
کوئی بھی لال کو ہاتھوں سے کھو کے پاتا ہے | چراغ گھر کا کوئی اس طرح بجھاتا ہے

لہو میں اپنا سفینہ ڈبو دیا تم نے
جوان بیٹے کو ہاتھوں سے کھو دیا تم نے

پلو تمہارا اب اشک کیوں بہاتے ہو | وہ برچھی کھا چکا ناحق پچھاڑیں کھاتے ہو
ملا وہ خاک میں کیوں سر پہ خاک اڑاتے ہو | کہاں ہیں اب علی اکبر جنھیں بلاتے ہو

ملا جو خاک میں پیارا وہ پھر نہیں آتا
جہاں سے جو کہ سدھارا وہ پھر نہیں آتا

کہا امام نے اے ساکنان کوفہ و شام | حسینؑ خوب سمجھتا ہے طعن کے یہ کلام
جواب تھا یہی اس کا کہ کھینچ لوں صمصام | مگر ہوں صابر و شاکر امام ابن امام!

خدا کی راہ میں یہ بھی ستم گوارا ہے
بجا ہے اپنے پسر کو ہمیں نے مارا ہے

یہ کہہ کے روئے نہایت امام ہر دوسرا | کہ یک بیک علی اکبرؑ نے شہ کو دی یہ صدا
جگر پہ کھائی ہے برچھی گلے پہ تیر لگا | جہاں سے جاتے ہیں ہم جلد آؤ اے بابا!
اجل قریب ہے رخصت غلام ہوتا ہے
مدد کرو! علی اکبر تمام ہوتا ہے

صدا یہ سنتے ہی دوڑے جگر کو تھام کے شہ | ہر ایک گام پہ کرتے تھے نالۂ جانکاہ
سر سنانِ پہونچے جو فرزند کے بحالِ تباہ | زمین پہ پاؤں رگڑتے تھے اکبر ذیجاہ
زباں تھی ہونٹوں پہ ہنگام دم شماری تھا
گلے سے اور کلیجہ سے خون جاری تھا

یہ حال دیکھ کے مطلق رہی نہ دل کو تاب | بشان برق جو تڑپے تو روئے مثل سحاب
جگر جو آتشِ فرقت سے ہو گیا تھا کباب | یہ کہہ کے لاش سے لپٹے امام عرش جناب
ہمارے حال کا اللہ خوب ناظر ہے
جواب دو علی اکبرؑ یہ باپ حاضر ہے

ترستے جاتے ہو پانی کو اے مرے دلدار | گلا نہ کیجیو بیٹا یہ باپ ہے لاچار!
تمہاری تشنہ دہانی پہ لاکھ جائیں نثار | خدا کے واسطے کھولو تو دیدۂ خونبار
تمہارے چھٹنے کا صدمہ کمال ہے پیارے
کہو تو باپ سے کیا دل کا حال ہے پیارے

یہ سُن کے علی اکبرؑ نے آنکھ کو کھولا | نگاہ یاس سے حضرت کو دیر تک دیکھا
دمِ اخیر بابا سے کہا تو بس یہ کہا! | خُدا کی حفظ و امانت میں آپ کو سونپا

سخن یہ کہہ کے جہاں سے گذر گئے اکبرؑ
حسینؑ رو کے پکارے کہ مر گئے اکبرؑ

سوز

دَر پیش جسے ماتمِ فرزند جواں ہو | لازم ہے کہ اکبرؑ کے لئے اشک فشاں ہو
ہر چند پسرؑ حسن میں یکتائے جہاں ہو | آنسو جو رواں ہو غمِ اکبرؑ میں رواں ہو

مولا جو فدا کرتے نہ ہمشکلِ نبیؐ کو
یہ داغ وہ تھا صبر بھی آتا نہ کسی کو

پوچھو تو جوانوں سے جوانی کی تمنّا | ہوتے ہیں جوانی میں انھیں حوصلے کیا کیا
شادی کی ہوس شوق پسرؑ حسرتِ دنیا | حسرت ہی میں اکبرؑ موئے وا حسرت و درد و دا

بچپن میں پلے ناز و نعم سے اور رفاقت کشی کی
شادی سے کنارا کیا مرنے کی خوشی کی

مرثیہ نمبر ۴۸

شہادت حضرت علی اکبرؑ

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جُدا ہوا
روشن قمر سپہر بریں سے جُدا ہوا!
نورِ نظر امام مُبیں سے جُدا ہوا
لختِ جگر حسینؑ حزیں سے جُدا ہوا

دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتولؑ کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسولؐ کا

پیری میں آفتِ غمِ اولاد الاماں
دل اور زخمِ خنجرِ فولاد الاماں
وہ اضطرابِ خاطرِ ناشاد الاماں
وہ اشکِ سوز اور وہ فریاد الاماں

بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزہ رہا
جب گھر اُجڑ گیا تو زمانہ میں کیا رہا

سب جانبین جس کی زلیست وہ شیرِ زیاں مرے
افسوس نیم جاں بجائے جانِ جہاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے اکبرؑ کہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جئے نوجواں مرے

اس عمر میں جہاں سے گذرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام | تر تھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رُخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام | طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے | تھرا رہے تھے پاؤں شہ تشنہ کام کے
لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے | سر دوش پر تھا زینب عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے

پرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں | کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
پیٹے ہیں خاک اڑائے ہیں آنسو بہائے ہیں | یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

یہ سن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی | زینب زمیں پہ گر کے پکاریں کہ یا علی
سر جہاں ہیں آپ پہ سر روشن و جلی | جاتا ہے ظالموں میں یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے کہاں بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

یا مصطفٰےؐ بلا میں پھنسا ہے تمھارا لال | یا شیر ذوالجلال دکھا دو انھیں جلال
یا فاطمہ میں لٹتی ہوں بکھراؤ کے بال | یارب اُلٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال!

پھر کیا کسی سے کام ہے جنگل میں جا رہوں
بھائی کو اپنے لیکے میں سب سے جدا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیئے تمھیں | خالق کی یاد سِرّ و عَلَن چاہیئے تمھیں
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیئے تمھیں | جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیئے تمھیں

ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

کیا کرتے ہم بہن اجل آتی وطن میں گر | اِک سا ہے مرنیوالوں کو جنگل ہو یا کہ گھر
درپیش ہے سفر میں ہمیں خلق سے سفر | اَب آہ زور یہ ہے کہ اُتر جائے تن سے سر

دُکھ میں خوشی ہیں وہ جنھیں اُلفت خدا کی ہے
میرا نہیں یہ سر تو امانت خُدا کی ہے

دیکھا یہ کہہ کے بانی سکینہؑ کو یاس سے | لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے | بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے

کیا اس بلا کے بن سے تہیّہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہؑ نے ہاں سفر ناگزیر ہے | آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آئے نہ روئے قرب خدائے قدیر ہے | تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو حمایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی وہ کیا کرے

یہ کہکے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدھر اُدھر | بولے کہ ہر حسین یا نوحہ گر
فضہؑ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھتی ہیں سر | رخصت کی پر حضور کی ان کو نہیں خبر
لب پر گھڑی گھڑی علیؑ اکبر کا نام ہے
چلئے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوشخصال | دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
سر پیٹ پیٹ کر یہ پکارے بصد ملال | اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر! | کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر | صاحب کہاں ہے گیسوؤں والا مرا پسر
ایسے نہیں کہ دُکھ میں جُدا ہوں جو باپ سے
اپنے مُرادوں والے کو میں لونگی آپ سے

باتیں یہ سُنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر | یارب جُدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیم بر | ہمشکل مصطفیٰؐ تو گئے فاطمہؑ کے گھر

ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے ہمیں دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنھیں | ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی اُنھیں
مخفی بہت سے کھا پہ اجل پا گئی اُنھیں | صحرائے کربلا کی ہوا بھا گئی اُنھیں

زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤ گی!
بانو کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام | کہدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُنکر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام | سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام

خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا وقت ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا وقت ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار | اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹ کے آئیں ستم شعار | بیٹھے کہاں آ بیکس و غمگین و سوگوار

کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

شہ نے کہا کہ حافظ و ناصر ہے ذوالجلال — زہراؑ کی بیٹیوں کے رہو تم شریک حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال — صاحب تمہارے ساتھ ہے عابد سا خوشخصال
بیوارثوں کا وارث و والی الٰہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤں یہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آ کے رو لیو! — لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلا کے رو لیو
زانو پہ سر کو شرم سے نیوڑھا کے رو لیو — قبر رسولؐ پاک پہ ہاں جا کے رو لیو!
لٹنے میں صبر، شکر تباہی میں چاہیئے
رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیئے

سوز

جب شام کے حاکم نے خبر داروں سے پوچھا — کس رنج میں تڑپے تھے زیادہ شہ والا
تب دست ادب جوڑ کے شمر اس سے یہ بولا — شبیرؑ سا صابر بھی کوئی ہوگا نہ اصلا
حضرت نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا
پر شکر کا سجدہ انھیں کرتے ہوئے دیکھا

مرثیہ نمبر ۴۹

شہادت حضرت علی اکبرؑ

دشتِ بلا میں گم علی اکبرؑ کی لاش ہے
فرزندِ فاطمہؑ کو پسر کی تلاش ہے
زخمِ جگر پہ ناخنِ غم کی خراش ہے
سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
بالو کو غم ہے اہلِ حرم دردمند ہیں
ہے ہے پسر کی گھر میں صدائیں بلند ہیں

پوشیدہ چشم سے جو وہ نورِ نگاہ ہے
سبطِ نبیؐ کی آنکھ میں دنیا سیاہ ہے
تھرا رہے ہیں ضعف سے حالت تباہ ہے
نعلین پاؤں میں ہے نہ سر پر کلاہ ہے
زردی ہے روئے پاک پہ زلفوں پہ خاک ہے
دامن تلک قبا کا گریبان چاک ہے

اللہ رے جوشِ ماتمِ فرزندِ گل عذار
غم سے سفید ہو گئی ریشِ خضاب دار
مثلِ کماں خمیدہ ہیں شاہِ فلک وقار
کھوئے ہوئے پسر کے الم میں بے قرار
گھوڑے کی باگ ہاتھ سے ہر بار گرتی ہے
صورت جوان بیٹے کی آنکھوں میں پھرتی ہے

چلاتے ہیں کہ باپ پیارے کدھر گئے　　اے نورِ چشم آنکھوں کے تارے کدھر گئے
اے میری زندگی کے سہارے کدھر گئے　　پہونچا کے ہم کو گور کنارے کدھر گئے

اندھیر ہے جہاں تمھیں پائے گا پدر
آواز دو گے تم تو چلا آئے گا پدر

روٹھے ہو کس لئے علی اکبر جواب دو　　صدقے ہو باپ اے مرے دلبر جواب دو
اے ہم شبیہ خاص پیمبر جواب دو　　تم سے بچھڑ کے زیست ہو کیونکر جواب دو

جو راہ ہے تمھاری وہی اپنی راہ ہے
قربان جاؤں باپ کی حالت تباہ ہے

کس جا پہ تم پڑے ہو بتاؤ پدر نثار　　آواز ہم کو اپنی سناؤ پدر نثار
ہم گر پڑے ہیں آ کے اٹھاؤ پدر نثار　　چھاتی سے پھر پدر کو لگاؤ پدر نثار

رخصت ہے اپنی گھر کو ذرا دیکھ بھال لو
لغزش ہے ہاتھ پاؤں میں اکبر سنبھال لو

کس سے کہوں میں کون تمھارا پتہ بتائے　　یہ بیکس و غریب مسافر کہاں کو جائے
قسمت میں ٹھوکریں مری لکھی تھیں ہائے ہائے　　اس جینے سے تو کاش خدا مجھ کو بھی اٹھائے

کیا قہر ہے کہ گود کے پالوں سے چھٹ گئے
منزل پہ آ کے قافلہ والوں سے چھٹ گئے

اَب ہاتھ بھی پکڑ کے اُٹھاتا نہیں کوئی رونے پہ میرے رحم بھی کھاتا نہیں کوئی
یوسف کی میرے شکل دکھاتا نہیں کوئی بیٹا تمھاری لاش بتاتا نہیں کوئی
حالت ہماری کا ہے کو دیکھی ہے آپ نے
تم کو خیال ہوگا خبر لی نہ باپ نے

آئی صدا نہ کچھ تو زمیں سے کیا سوال اے خاک تجھ میں تو نہیں پنہاں ہمارا لال
آغاز ہیں مسیں ابھی اٹھارواں ہے سال وہ حسن میں ہے صورت محبوب ذوالجلال
مہتاب اُس کے چہرے کی پرتو سے ماند ہے
روشن ہے رُخ سے یہ کہ اندھیرے کا چاند ہے

اے ارض کربلا مرا دلبر کدھر گیا اے دشتِ نینوا مہ انور کدھر گیا
مقتل سے ہمشبیہ پیمبر کدھر گیا اے نہر علقمہ علی اکبرؑ کدھر گیا
نکلا ہوں میں شہید پسر کی تلاش کو
بتلا مجھے مرے دُرِ یکتا کی لاش کو

تم نے تو طائرو نہیں دیکھا مرا پسر اے آہوؤ بتاؤ مرے شیر کی خبر
اے ابر کس طرف مرا بیٹا ہے خونیں تر اے آسماں بتا کہ مرا چاند ہے کدھر
چھایا اندھیرا رونقِ باغ جہاں گئی
اے آفتاب روشنی تیری کہاں گئی

اے فوج ظلم بانوؑ کے دلبر کو کیا کیا بیکس کو تشنہ کام کو بے پر کو کیا کیا
اے ظالمو شبیہ پیمبرؐ کو کیا کیا ملتا نہیں پتہ علی اکبرؑ کو کیا کیا

رستہ تو دو بتا کہ بھٹکتا ہوں راہ میں
کس نے گرایا ہے مرے یوسف کو چاہ میں

تم نے بلا کے گھر سے نہ میرا ادب کیا مہمان پہ بیوطن پہ ستم بے سبب کیا
میرے بھتیجے بھانجوں پر رحم کب کیا فرزند نوجواں کو بھی مارا غضب کیا

اب دشمنی کرو نہ شہ مشرقین سے
بچھڑے ہوئے پسر کو ملا دو حسینؑ سے

یہ کہکے ہر طرف گئے با چشم اشکبار لیکن ملا نہ شاہ کو فرزند نامدار
خیمے کی سمت آئے جو روتے بحال زار چلائی سر کو پیٹ کے فضہ جگر فگار

یا شاہ میں بھی آنے کو تھی فوج شام میں
ملتی نہیں ہیں زینب بیکس خیام میں

سب بی بیاں تھیں ڈیوڑھی پہ یا شاہ بحر و بر کیا جانئے کدھر گئیں زینب ہمنہ سر
ڈھونڈھ آئی ہو نہیں خیمۂ عباسؑ نامور غش تھی ابھی تو فرط قلق سے وہ نوحہ گر

پیارا ہے کس طرف یہی لب پہ کلام تھا
جاری زبان پر علی اکبرؑ کا نام تھا

اَب گھر سے ڈھونڈھنے کو نکلتی ہیں بی بیاں بکھرے ہیں بال چہرہ و تن آہ اور اشک ہیں رواں
پکڑے ہے کوئی ہاتھ سے بانو سے خستہ جاں لاشہ بتائیے علی اکبر کا ہے کہاں

اِک حشر ہو گا نہ میں تن پاش پاش پر
زینب کہیں نہ ہو علی اکبرؑ کی لاش پر

یہ سُنکے خاک اڑانے لگے سر پہ زناں جا پہونچے لاشۂ علی اکبرؑ پہ ناگہاں
دیکھا کہ بنت فاطمہ با چشم خونفشاں لاشہ کے گرد پھرتی ہے با نالہ و فغاں

نے دوش پر ردا ہے نہ سر پر نقاب ہے
کانوں میں بندے ہلتے ہیں یہ اضطراب ہے

چلّاتی ہے کہ گود کا پالا کہاں گیا آنکھوں کا نور گھر کا اُجالا کہاں گیا
چشم و چراغ سیّد والا کہاں گیا میرا وہ لمبے گیسوؤں والا کہاں گیا

دو بیٹے کھو کے پالا ہے اس نونہال کو
برچھی سے کس نے قتل کیا میرے لال کو

زینبؑ کا حال دیکھ کے رو دے شہ انام خواہر کے پاس آ کے کیا اس طرح کلام
دل کو سنبھالو اب یہ ہے صبر کا مقام زندہ ہے اے بہن ابھی شبّیر تشنہ کام

تم جاؤ میں اُٹھاتا ہوں اکبرؑ کی لاش کو
خیمہ میں لیکے آتا ہوں اکبرؑ کی لاش کو

یہ سُنکے خیمہ میں گئی زینب بچشم نم — پہونچے پسر کے پاس اُدھر قبلۂ اُمم
پُشت فرس پہ لاش کو رکھکر بصد الم — روتے ہوئے چلے طرف خیمۂ حرم

گردن میں باپ کے علی اکبرؑ کا ہاتھ تھا
رہوار بھی جھکائے ہوئے سر کو ساتھ تھا

پردہ اُٹھایا خیمہ کا فضّہ نے ایکبار — لائے پسر کو گھر میں شہنشاہ نامدار
زیر علم کھڑا ہوا اکبرؑ کا راہوار — اور گرد پیٹنے لگیں بر انڈنیں بحال زار

اِک حشر تھا کسی کو نہ اُسوقت ہوش تھا
گھوڑا بھی رو رہا تھا یہ وقت کا جوش تھا

سوز

جب کھائی سناں سروِ ریاضِ حسنی نے — دِل توڑ دیا سینہ میں برچھی کی انی نے
چلّائے کہ مارا مجھے تشنہ دہنی نے — اِک آہ کی تُربت میں رسولِ مدنیؐ نے

پھل برچھی کا سینے سے نکالا نہیں جاتا
بیتاب ہے دِل غم سے پکارا نہیں جاتا

مرثیہ نمبر ۵۰

شہادت حضرت علی اکبرؑ

لاش اکبرؑ کی جو مقتل سے اٹھالائے حسینؑ
نوجواں کو صف اول سے اٹھالائے حسینؑ

چاند کو شام کے بادل سے اٹھالائے حسینؑ
جاں بلب شیر کو جنگل سے اٹھالائے حسینؑ

دی صدا لاش پسر آن کے لے جا بانو
چھِد گیا برچھی سے اکبرؑ کا کلیجا بانو

دیکھ لے آخری دیدار پسر مرتا ہے
سامنے آنکھوں کے یہ نورِ نظر مرتا ہے

اب کوئی دم میں ترا رشکِ قمر مرتا ہے
منھ سے باہر ہے زباں تشنہ جگر مرتا ہے

دم ہے سینہ میں کہ زخموں سے خوں جاری ہے،
ہائے بانو تجھے گھر لٹنے کی تیاری ہے،

پہونچی خیمہ میں جو حضرت کی یہ پُر درد صدا
مضطرب ہوگئی ناموس رسولؐ دوسرا

کہا چلّا کے سکینہ نے کہ ہے ہے بھیّا
فضہ دوڑی سوئے در بھینچ کے سر سے چادر

پیٹتی زینبؑ مضطر نکل آئی باہر
بانو گھبرا کے کھلے سر نکل آئی باہر

شاہ کے کاندھے پہ دیکھا علی اکبر کو نڈھال | ہاتھ پھیلا کے یہ چلائی کہ ہے ہے مرے لال
کیا غضب ہو گیا اے بادشہ نیک خصال | راس آیا نہ مرے بچہ کو اٹھارواں سال!

ٹکڑے تیغوں سے بدن ہو گیا سارا ہے ہے
کون تھا جس نے مرے شیر کو مارا ہے ہے

رو کے بانو سے یہ فرمانے لگے سرور دیں | سر نہ پیٹو ابھی زندہ ہے مرا ماہ جبیں
سانس آتی ہے یہ ہر دم ہے دم بازپسیں | کوچ ان کا بھی ہے اور ہم بھی ہیں مرنے کے قریں

سب چھٹے اب نہ رہا کوئی ہمارا بانو
اس جواں بیٹے کے غم نے ہمیں مارا بانو

کہہ کے یہ لاش پسر خیمہ میں لائے سرور | ہاتھ اکبرؑ کے سنبھالے تھا کوئی اور کوئی سر
شہ نے فرزند کو آہستہ لٹایا جا کر | گر کے پہلو میں تڑپنے لگی ماں خستہ جگر

کہتی تھی دل پہ سناں غم کی لگائی بیٹا
آنکھیں کھولو نہیں مرتی ہے یہ لائی بیٹا

نزع میں بھی مجھے پوچھا تری الفت کے نثار | اماں اس خون میں ڈوبی ہوئی صورت کے نثار
جنگ کی لاکھوں سے تنہا تری جرأت کے نثار | تیری مظلومی کے صدقے تری غربت کے نثار

مجھ کو بیٹے نے یہ کیا شان دکھائی لوگو
لٹ گئی بانو سے ناشاد دہائی لوگو!

سُنکے مادر کی صدا کھولدیئے دیدۂ نم | ہاتھ اُٹھا کر کہا زینبؑ نہ مرے سر کی قسم
پاس آکر ہمیں چھاتی سے لگالو اسدم | رن سے آئے ہیں تمہاری ہی ملاقات کو ہم
پھر یہ گھر آپ کے اقبال سے دیکھا ہم نے
پھر تمہیں آ کے عجب حال سے دیکھا ہم نے

زخمی ہونے کی خبر کس نے مری پہنچائی | جھوٹ ہے میں نے تو ہرگز نہیں برچھی کھائی
اب تلک بیٹے کو تقدیر سلامت لائی | دیکھئے حضرت کے قدم تن میں مرے جان آئی
مرگ سے پہلے ہو ماتم یہ زبوں ہے اماں
میرے کپڑوں پہ تو عباسؑ کا خوں ہے اماں

غسل کے آنے کی کہوں جہ کہ کیونکر آیا | تیسرا دن ہے کہ پانی نہیں میں نے پایا
دھوپ میں ان کی تھی سر پہ تھا کچھ سایا | گر پڑا گھوڑے سے تیورا کے تمہارا جایا
مر چکا تھا پہ مقدر نے بچایا ہم کو
دوڑ کر باپ نے گودی میں اُٹھایا ہم کو

بولی بانوؑ کہ جو کہتے ہو خدا یوں ہی کرے | اے مرے لال یہ ماں تیری بلا لیکے مرے
لاؤ دھو ڈالوں میں جو خون میں کپڑے ہیں بھرے | چاند سے ہاتھ ہیں کس لیتی چھاتی پہ دھرے
مجھ کو معلوم ہوا خلق سے جاتے ہو تم
میرے رونے کے سبب زخم چھپاتے ہو تم

بائو صدمے سے نہ مر جایئے ڈر رہے بیٹا
سب ترے دل کی مرے دل کو خبر ہے بیٹا
ہاتھ سینہ پہ ترا خون میں تر ہے بیٹا
پھر یہ کیا ہے جو نہیں زخم جگر ہے بیٹا

سنسناتا ہے بدن جان چلی جاتی ہے
اس لہو سے تو مرے دودھ کی بو آتی ہے

ہاتھ سینہ سے اٹھا کر تو مجھے دکھلاؤ
پردہ اس تنگ قبا کا تو ذرا سرکاؤ
مجھ سے کہتے ہو کہ اماں نہ پچھاڑیں کھاؤ
دیکھ لوں چاند سی چھاتی کو تو پھر سمجھاؤ

سر نہیں پیٹنے کی جان نہ کھوؤنگی میں
تم سلامت ہو تو پھر کاہے کو روؤنگی میں

آرزو ہے کہ پھلے پھولے مرا نخل مراد
تم دلہن بیاہ کے لاؤ مرا گھر ہو آباد
دیکھ لوں اپنی میں آنکھوں سے تمہاری اولاد
پھر میں دنیا سے جو گزروں تو رہے روح بھی شاد

دادی کہلاؤں گی جو بیٹا برابر ہوگا
تیرا فرزند بھی ہمشکل پیمبرؐ ہوگا!

آہ کی سنکے یہ اکبرؑ نے بصد رنج و ملال
درد چھاتی میں اٹھا غیر ہوا اور بھی حال
دل میں یہ سوچ کے رونے لگا وہ نیک خصال
ہم سفر کرتے ہیں اماں کو ہے شادی کا خیال

بر میں ہوگا نہ کفن خاک پہ لاشہ ہوگا
نہ دولہن ہوگی نہ اولاد نہ سہرا ہوگا

سرد اک آہ بھری سینے سے یہ سوچ کے بات
ہچکی اک آئی تڑپنے لگا وہ نیک صفات

ملک الموت نے چاہا کہ کرے قطع حیات
پھٹ گئے سینہ سے وہ خون میں ڈوبے ہوئے ہات

بانو چلائی مگر دم نہ پسر میں دیکھا
زخم اک چھاتی میں سو راخ جگر میں دیکھا

اے مرے شیر تجھے لطف جوانی نہ ملا
قطرۂ آب بجز اشک فشانی نہ ملا

چین پردیس میں اے یوسف ثانی نہ ملا
دودھ پی پی کے پلے اور تمھیں پانی نہ ملا

مر گئے مجھکو دولہن بھی نہ دکھائی بیٹا
خاک میں مل گئی بانوؑ کی کمائی بیٹا

اب کس کو پکاروں گی میں کہہ کر علی اکبرؑ
اے شیر مرے اے مرے دلبر علی اکبرؑ

اے گیسوؤں والے علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اب کس کو جئے دیکھ کے مادر علی اکبرؑ

واری گئی ہے وقت پڑا آل نبیؐ پر
اعدا کی چڑھائی ہے حسینؑ ابن علیؑ پر

مرثیہ نمبر ۵۱

شہادت حضرت علی اصغرؑ

بانوؑ کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے
بچےؑ کی نبض دیکھ کے ماں بیحواس ہے
نے دودھ ہے نہ پانی کے ملنے کی آس ہے
پھرتی ہے آس پاس پہ جینے سے یاس ہے
کہتی تھی کیا کروں میں دوہائی حسینؑ کی
پتلی پھری ہے آج مرے نورِ عین کی

فریاد یا علیؑ میں کدھر جاؤں یا علیؑ
ان داغوں کو کہاں سے جگر لاؤں یا علیؑ
کس طرح انکی سانس کو ٹھیراؤں یا علیؑ
پانی کا قحط ہے میں کہاں پاؤں یا علیؑ
پچھلے کو آنکھ کھولے تھے اب کھولتے نہیں
روتے نہیں سمکتے نہیں بولتے نہیں

آخر کہا یہ سب نے بلاؤ امام کو!
لاؤ خدا کے واسطے لاؤ امام کو
اس بے زباں کا حال سناؤ امام کو
نیلی رگیں گلے کی دکھاؤ امام کو
اکبر کی لاش لیگئے ہیں قتل گاہ میں
کوئی پکار لو وہ ابھی ہوں گے راہ میں

حضرت لٹا رہے تھے ابھی لاشِ نوجواں جو خیمہ سے بلند ہوئی بیوؤں کی فغاں
بولے کہ چین بھائی کو بن بھائی کے کہاں اکبرؑ تمھاری لاش کا خالق نگاہباں
ہم خیمہ گہ میں جاتے ہیں اصغر بلاتے ہیں
اِن کو بھی پاس لا کے تمھارے لٹاتے ہیں

مُنھ پر جوان بیٹے کا تازہ لہو لگائے ماتم سرا میں گنج شہیداں سے شاہ آئے
جھولے پہ ہاتھ پکڑے ہوئے اہلبیتؑ لائے بچے کے ہاتھ پاؤں ہلا کر انھیں دکھائے
رو کر کہا کہ سانس فقط آشکار ہے
ہو اس کا کیا حساب کہ دم کا شمار ہے

بیٹھے سرہانے جھولے کے شبّیر سر جھکائے اصغرؑ کے کان سے لبِ معجز نما لگائے
چپکے سے کچھ کہا کہ وہ سنتے ہی مسکرائے سوئے حسینؑ ہاتھ کو بے ساختہ بڑھائے
بولی سکینہ بابا نے مشکل کشائی کی
اماں مبارک آنکھ کھلی میرے بھائی کی

ہاتھوں پہ اُس کو لیکے چلے شاہ کربلا اور ساتھ ساتھ گود کو بھر بھر کے روئے قفا
لکھا ہے دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا اصغرؑ پہ ماں نے ڈالدی اجلی سی اک ردا
چادر نہ تھی وہ چہرۂ پر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

پہونچے قریب فوج تو تھرا کے رہ گئے چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ اڑ گیا تھرا کے رہ گئے چادر لپیٹ چہرہ سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے پہ ہم انکو لائے ہیں
اصغرؑ تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

گر میں بقول شمر عمر ہوں گنا ہگار یہ تو نہیں کسی کے بھی آگے قصور وار
شش ماہہ بے زبان ہے نبیؐ زادہ شیر خوار ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بے قرار
سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر سو کھی زبان تم بھی دکھاؤ نکال کر
پھیری زباں لبوں پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسماں کو دیکھا حسینؑ نے

مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناگہاں لی حرملہ نے شانے سے ڈوبا نک کی کماں
ترکش سے جبکہ کھینچ لیا تیر جاں ستاں چھوڑا کماں سے تاک کے حلقوم بے زباں
چھٹتے ہی حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا صغیرؑ نے

کیا سن تھا یہ تیر کھاتے ہی بچہ دہل گیا سوکھے گلے سے خون کا دریا اُبل گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ ننھا تو دہل گیا ٹوپی گری زمین پہ اور دم نکل گیا
ننھی کلائیوں پہ تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے

منہ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا! اور ننھا ہاتھ زخم گلو پر دھرا ہوا
آنکھیں پھرا دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اگلے تھے اب خوں اُگلتے ہیں

کھینچا گلے سے بچہ کے آہستہ شہ نے تیر اور رہا تھوں پہ بلند کیا لاشۂ صغیر
گردن جھکا کے بولے کہ اے خالق قدیر مقبول ہو حسینؑ کا یہ فدیۂ اخیر
شش ماہہ کوئی کشتۂ تیر ستم نہیں
یہ بے زبان ناقۂ صالح سے کم نہیں

منہ رکھ کے منہ پہ بیٹے کے روئے امامؑ دیں کی ایک آہ ایسی کہ تھرا گئی زمیں
حضرت سے پوچھنے لگا یہ حرملہ لعیں کیوں اب تو پانی آپ سے یہ مانگتا نہیں
فرمائیے کہ تیر مرا کارگر ہوا!
اصغرؑ کا حلق خشک رہا یا کہ تر ہوا

مرثیہ نمبر ۵۲

شہادت حضرت علی اصغرؑ

گہوارہ سے حسینؑ جو اصغرؑ کو لے چلے
ہاتھوں پہ کھ کے فدیہ اور کو لے چلے
بادل میں شام کے مہ انور کو لے چلے
چلائی ماں کہاں مرے دلبر کو لے چلے

فارغ ابھی نہیں ہوئی اکبرؑ کے داغ سے
کچھ روشنی ہے گھر میں مرے اس چراغ سے

للہ مرے گل کو نہ خاروں میں لیکے جاؤ
ننھی سی جان کو نہ ہزاروں میں لیکے جاؤ
اک مور ناتواں کو نہ ماروں میں لیکے جاؤ
بے شیر کو نہ تیغ کی دھاروں میں لیکے جاؤ

جنگل میں لے نہ جاؤ یہ نازوں کا پالا ہے
میں نے انھیں ابھی نہیں گھر سے نکالا ہے

جھولے سے کیوں اٹھایا کہ دکھتا ہے میرا دل
سوتے سے کیوں جگایا کہ دکھتا ہے میرا دل
چادر میں کیوں چھپایا کہ دکھتا ہے میرا دل
سینے سے کیوں لگایا کہ دکھتا ہے میرا دل

وسواس مجھکو آتا ہے کیا دیکھتے ہیں آپ
کیوں بار بار اس کا گلا دیکھتے ہیں آپ

دیکھو تو میری شکل کو کس طرح تکتا ہے گودی میں میری آنے کو کیسا ہمکتا ہے
ناچار ہے کہ منہ سے نہیں بول سکتا ہے لیکن یہ ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا ہے
بن دودھ اس کو دیکھ کے چھاتی بھر آتی ہے
جاتا نہیں یہ جان مری نکلی جاتی ہے

گذری ہیں پانی سے نہ اسے لیکے جائیے پیاسا ہی جی رہے گا نہ پانی پلائیے
اس کی تو شکل بھی نہ کسی کو دکھائیے اس غنچہ لب کو یہاں نہ ہوا بھی لگائیے
احسان ہوگا آپ کا مجھ دل ملول پر
میں واری اس کو بھیجدو قبر رسولؐ پر

باانوؑ کے اس بیان سے گھبرائے شاہ دیں آخر قریب فوج کے لے آئے شاہ دیں
بچے کو رکھ کے ہاتھوں پہ چلائے شاہ دیں یارو سمجھ لو جو تمھیں سمجھائے شاہ دیں
کچھ تو خیال چاہیئے ننھی سی جان کا
بتلاؤ کیا قصور ہے اس بے زبان کا

یہ سنکے حرملا نے اٹھایا کمان کو تاکا خطا شعار نے ننھی سی جان کو
مارا خدنگ شاہ کے ابرو کمان کو ہے ہے مٹایا باانوؑ کے نام و نشان کو
چلائی موت ہائے نہ تجھکو امان دی!
بچہ نے سہم سہم کے ہاتھوں پہ جان دی!

شہ نے سوائے شکر زباں سے نہ کچھ کہا　　چاندا اپنا زیر خاک چھپایا بصد بکا
تربت سے اُٹھ کے آپ نے خیمہ کا رُخ کیا　　لیکن قدم نہ آگے کو اُٹھتے تھے مطلقا
کہتے تھے کیا کہوں گا جو بچہؑ کو مانگے گی
بانوؑ ضرور ہنسلیوں والے کو مانگے گی

پہنچے غرض کہ تا درِ خیمہ کمالِ زار　　آئی جو بانوؑ دیکھ کے شرمائے بار بار
گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ نامدار　　لو شہر بانوؑ بن گیا اصغرؑ کا بھی مزار
ناسور پڑ گیا ہے دلِ دردناک میں
بانوؑ تیری کمائی ملی آج خاک میں

بانوؑ وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا　　بانوؑ وہ تیری گود کا پالا گزر گیا
بانو وہ تیرے گھر کا اُجالا گزر گیا　　بانوؑ وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا
نے اَب وہ چونکتے ہیں نہ ہر دم مچلتے ہیں
فردوس میں وہ حور و نکی گودی میں پلتے ہیں

چلّائی بانوؑ ہائے مرے نامراد ہائے　　کن جنگلوں میں بانوؑ تمہیں ڈھونڈنے کو جائے
تم گھیٹنوں بھی گھر میں ہمارے نہ چلنے پائے　　خیمے سے جا کے شکل نہ ماں کو دکھانے آئے
مجھ سے بچھڑ کے پیاس کے مارے چلے گئے
کس ماں کی گود میں مرے پیارے چلے گئے

مرثیہ نمبر ۵۳

شہادت حضرت علی اصغرؑ

ڈھک کر عبا سے شاہ جواختر کو لے چلے ہاتھوں پہ رکھ کے فدیہ دلاور کو لے چلے
بادل میں شام کے مہ انور کو لے چلے چلّائی ماں کہاں مرے دلبر کو لے چلے
فارغ ابھی نہیں ہوئی اکبر کے داغ سے
کچھ روشنی ہے گھر میں مرے اس چراغ سے

للہ میرے گل کو نہ خاروں میں لے کے جاؤ ننھی سی جان کو نہ ہزاروں میں لے کے جاؤ
اک مورِ ناتواں کو نہ ماروں میں لے کے جاؤ بے شیر کو نہ تیغ کی دھاروں میں لے کے جاؤ
جنگل میں لے نہ جاؤ یہ نازوں کا پالا ہے
میں نے انھیں ابھی نہیں گھر سے نکالا ہے

جھولے سے کیوں اٹھا لیا دکھتا ہے میرا دل سوتے سے کیوں جگا لیا دکھتا ہے میرا دل
چادر میں کیوں چھپا لیا دکھتا ہے میرا دل سینے سے کیوں لگا لیا دکھتا ہے میرا دل
وسواس مجھ کو آتا ہے کیا دیکھتے ہیں آپ
کیوں بار بار اس کا گلا دیکھتے ہیں آپ

دیکھو تو میری شکل کو کس طرح تکتا ہے گودی میں میری آنے کو کیسا ہمکتا ہے
ناچار ہے کہ مُنہ سے نہیں بول سکتا ہے کیسا یہ ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا ہے
بن دودھ اس کو دیکھ کے چھاتی بھر آتی ہے
جاتا نہیں یہ جان مری نکلی جاتی ہے

گذری ہیں پانی سنئے اسے لیکے جائیے پیاسا ہی جی رہے گا نہ پانی پلائیے
اس کی تو شکل بھی نہ کسی کو دکھائیے اس غنچہ لب کو یہاں نہ ہوا بھی لگائیے
احسان ہوگا آپ کا مجھ دلِ ملول پر
میں واری اس کو بھیجہ و قبر رسولؐ پر

بانو کے اس بیان سے گھبرائے شاہ دیں آخر قریب فوج کے لے آئے شاہِ دیں
بچے کو رکھ کے ہاتھوں پہ چلائے شاہ دیں یارو مجھ کو جو تمھیں سمجھائے شاہِ دیں
کچھ تو خیال چاہیئے ننھی سی جان کا
بتلاؤ کیا قصور ہے اس بے زبان کا

یہ سُنکے حُر ملا نے اُٹھایا کمان کو! تاکا خطا شعار نے ننھی سی جان کو
مارا خدنگ شاہ کے ابرو کمان کو! ہے ہے مٹایا بانو کے نام و نشان کو
چلائی موت ہائے نہ تجھ کو امان دی!
بچے نے سہم سہم کے ہاتھوں پہ جان دی

شہ نے سوائے شکر زباں سے نہ کچھ کہا　　چاندا اپنا زیرِ خاک چھپایا بصد بکا
تربت سے اٹھ کے آپ نے خیمہ کا رُخ کیا　　لیکن قدم نہ آگے کو اٹھتے تھے مطلقا
کہتے تھے کیا کہوں گا جو بچہ کو مانگے گی!
بانو ضرور سنسلیوں والے کو مانگے گی!

پہنچے غرضکہ تا درِ خیمہ کمال زار　　آئی جو بانو دیکھ کے شرمائے بار بار
گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ نامدار　　لو شہر بانوؑ بن گیا اصغرؑ کا بھی مزار
ناسور پڑ گیا ہے دلِ دردناک میں
بانو تری کمائی ملی آج خاک میں

بانوؑ وہ تیرا ہنسلیوں والا گذر گیا　　بانوؑ وہ تیری گود کا پالا گزر گیا
بانوؑ وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا　　بانوؑ وہ تیرے گھر کا اُجالا گزر گیا
نے اب وہ چونکتے ہیں نہ ہر دم مچلتے ہیں
فردوس میں وہ حور و نکی گودی میں پلتے ہیں

چلائی یہ بانوؑ ہائے مرے نامراد ہائے　　کن جنگلوں میں بانوؑ تمھیں ڈھونڈنے کو جائے
تم گھٹنیوں بھی گھر میں ہمارے نہ چلنے پائے　　خیمے سے جا کے شکل نہ ماں کو دکھانے آئے
مجھ سے بچھڑ کے پیاس کے مارے چلے گئے
کس ماں کی گود میں مرے پیارے چلے گئے

مرثیہ نمبر ۵۴

شہادت حضرت علی اصغر

جب وارثِ خلیل شہ کربلا ہوئے
یعنی خدا کی راہ میں اکبر فدا ہوئے
اور باری باری قتل تمام اقربا ہوئے
ہدیے شہ ہدیٰ کے قبول خدا ہوئے
آئی ندا جو چاہتے ہو کارساز کو
شش ماہہ طفل نذر کرو بے نیاز کو

کی عرض شہ نے بار خدایا ابھی ابھی
گھر میں گیا حسینؑ اور آیا ابھی ابھی
حاضر ہے شیر خوار میں لایا ابھی ابھی
ان کو بھی قتل گہ میں لٹایا ابھی ابھی
پر زخم کون سا ہو گلوئے صغیر میں!
خنجر میں ہے ثواب زیادہ کہ تیر میں

یکساں ہے تیغ و تیر و سناں جو تری خوشی
اس کی بساط کیا ہے یہ ہاں جو تری خوشی
اک دھار بھی نہ ہوگی رواں جو تری خوشی
سو کھا گلا ہے سوکھی زباں جو تری خوشی
گر انقطاع نسل سے خوش کردگار ہے
سجادؑ بھی تصدق پروردگار ہے

اکبرؑ تھا ملک خالق اکبر حسینؑ کون | مولا کا مال ہے علی اصغر حسینؑ کون
اہلِ حرم کا گھر ہے ترا گھر حسینؑ کون | عابد بھی ہے امانت داور حسینؑ کون

چاہا بسایا چاہا اُجاڑا ملال کیا
بندہ کو اس میں چون و چرا کی مجال کیا

سرکار ذوالمنن کی جلالت ہے آشکار | مشکل ہے بار یابیٔ دربار کردگار
قدسی لرزتے ہیں بنی آدم کا کیا شمار | میں تو ہوں ایک بندۂ نادار بے دیار

نقد عمل سے ہاتھ ہے خالی حسینؑ کا
پردہ نہ فاش ہو مرے والی حسینؑ کا

فرزند کو خلیل نے قربان جب کیا | تحفہ غذا کھلائی اور آب خنک دیا!
اصغر نے دودھ بھی کئی دن سے نہیں پیا | تڑپے نہ تیر کھا کے یہ مہمانِ کربلا

چشمِ قبول اس پہ ہو ربِّ جلیل کی
یہ نذر آخری ہے حقیر و ذلیل کی

آئی ندا کہ تم ہو دو عالم کے افتخار | خاتم تمہارے نانا تھے آدم کے افتخار
تم ہو خدا کے فضل سے خاتم کے افتخار | کرسی کی زیب عرش معظم کے افتخار

بندے مرے خدائی کی تو زیب و زین ہے
دونوں جہاں میں ایک خدا اک حسینؑ ہے

بانوئے نامراد کو حضرت نے دی صدا | اے عاجز زمانہ واے غم کی مبتلا
اللہ کی کنیز نوازی پہ ہو فدا | آیا ہوں تیرے پاس فرستادۂ خدا

ارشاد خواب میں جو ہوا تھا خلیلؑ سے
مجکو ندا وہ آئی ہے ربّ جلیل سے

اصغرؑ کو لا ذبیحہ راہ خدا کو لا | شش ماہے شیر بشیۂ شیر خدا کو لا
معصوم کو نشانۂ تیر قضا کو لا | محروم آب و شیر کو لا بے غذا کو لا!

اکبرؑ تو کب کے داخل دربار رب ہوئے
لو اب تمہارے ہنسلیوں والے طلب ہوئے

بولی وہ بار بار نہ ارشاد کیجئے | لائی میں لائی لیجئے اصغر کو لیجئے
حاضر مرا جگر ہے چھری پھیر دیجئے | کچھ غم نہیں ہے وارث آل نبیؐ جئے

پچھلے کے خواب سے ہوں بہت اضطراب میں
دیکھے نہ کوئی کو کھ جلی ماں یہ خواب میں

اکبرؑ نے دی تھی صبح کو جب آخری اذاں | قبل اس کے روتے روتے جو سوئی میں رخستہ جاں
دیکھا ہجوم طائروں کا زیر آسماں | سب سے علیحدہ ہو گیا اک مرغ ناگہاں

اترا مثال باز شکاری زمین پر
جھپٹا زمین پہ آکے مرے نازنیں پر

چنگل میں اپنے وہ مرے پیارے کو لیگیا | جھولے سمیت جھولنے والے کو لے گیا
بُرجِ شرف کو چاند کے ہالے کو لیگیا | دلکی ضیا کو گھر کے اُجالے کو لے گیا
لے لیکے اُلٹی سانس مرا دم اُلٹتا ہے
مجھ سے سہم سہم کے یہ اصغر لپٹتا ہے

جھولے سے تشنہ لب کو وہ لے آئی خستہ تن | ہاتھوں پہ لیکے رونے لگے شاہ بیوطن
ٹپکے جو مُنھ پہ بچّے کے اشکِ شہِ زمن | پانی سمجھ کے کھولدیا پیاسے نے دہن
خشکیدہ لب تو کھل گئے پانی کی آس میں
پر کھُل سکی نہ آنکھ شہِ دیں کی پیاس میں

سُلجھا کے انگلیوں سے پھر اُسنے جھنڈ والے بال | آیا گلے پہ تیغ کے لکھنے کا جو خیال
منّت کا طوق اُتار کے روئی وہ خستہ حال | بولی سدھارو دودھ بھی میں نے کیا حلال
حق سے گلہ نہ دودھ کے ملنے کا کیجیو!
واری میں ہاتھ جوڑتی ہوں بخش دیجیو!

المدد عدو سے ہو رہا تھا جو شہِ ھُدا | ہاتھوں پہ بچّہ بچّے پہ اک اُجلی سی ردا
بچّے کی لو تھ دیکھ یہ دینے لگے ندا | جلّاد و آؤ لاتے ہیں شہ فدیۂ خدا
کیا خوب نذر مالکِ تقدیر لاتے ہیں
بے دودھ والے بچّے کو شبّیر لاتے ہیں

پہونچے جو قتل گاہ میں شاہ فلک جناب | للکار کر یہ اہل جفا سے کیا خطاب
پانی کا ملتجی نہیں اب ابن بو تراب | استغفر اللہ آل نبیؐ اور سوال آب

دیتا ہے جو سبھوں کو اُسی سے سوال ہے
منظور بے زباں کا بس اظہار حال ہے

دو اک قدم کی جو نہ ہو تکلیف ناگوار | آنکھوں سے اپنی دیکھ لو احوال شیر خوار
آگے بڑھے جو آنمیں تھے دانا و ہوشیار | چادر اُلٹ دی شاہ نے چہرے سے یکبار

تیور کبھی بجھے ہوئے گہ ضو نظر پڑی
بجھتے ہوئے چراغ کی سی لو نظر پڑی

بولے حسینؑ دیکھ چکے وہ پکارے ہاں | فرمایا پھر حمیّت اسلام ہے کہاں
ہم کس کے میہماں ہیں یہ کس کے میہمان | طالب نہیں صراحی و ساغر کا بے زباں

مشہور ان کے گھر کی قناعت خلق میں
دو چار قطرے پانی کے ٹیکا دو حلق میں

اُترے بھی یا نہ اُترے یہ پانی گلے سے اب | تالو سے مل گئی ہے زباں اور لب سے لب
پوری یہ بات کہہ نہ چکے تھے شہ عرب | ننھے گلے پہ تیر لگا آ کے ہے غضب

فوّارہ خوں کا زخم سے گردن کے بہ گیا
جتنا پیا تھا دودھ لہو بن کے بہ گیا

لرزے یہ پاؤں ننھے کہ گھنگرو نکل پڑے منھ سے انگوٹھے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
ہو ہو کے ڈھیلے جوشن بازو نکل پڑے حیدر جناں سے کھولکے گیسو نکل پڑے
شہ بولے قدر بڑھ گئی مجھ دل ملول کی
نذرِ حسینؑ آپ خدا نے قبول کی

سوز

اِک طفلِ شیر خوار کی ہے داستانِ عجیب کب تیر جاں ستاں کا نشانہ ہوا غریب
جب گود میں پدر کی رگِ دل سے تھا قریب پانی کی جستجو میں شہادت ہوئی نصیب
سب کا جو لاڈلا تھا حسینی سپاہ میں
خیمے میں ہاتھوں ہاتھ گیا رزم گاہ میں

اکبرؑ کے بعد موت کی گودی میں جو گیا بے دودھ نیند آگئی پیاسا ہی سو گیا
دُنیا میں جس کا نام ہی بے شیر ہو گیا وہ چاند فوجِ شام کی بدلی میں کھو گیا
سورج ہزار اس پہ تصدق ہزار چاند
جس نے لگائے باپ کی محنت کو چار چاند

مرثیہ نمبر ۵۵

شہادت حضرت امام حسینؑ

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے — ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے — یا نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے آتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب — ڈگمگانے میں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پُرآب — تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سینکڑوں تیر ستم تن سے گذر جاتے ہیں

برچھی آکر کوئی سینہ پہ لگا جاتا ہے — مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے — بند آنکھیں ہیں سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہراؑ و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امام دوسرا گرتے ہیں

زریں ہوتا ہے جُدا دوشِ محمدؐ کا مکیں چمنِ فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
برچھیاں گرد ہیں اور بیچ میں ہیں شہؑ روئیں ہے یہ نزدیک کہ ہے مہرِ نبوّت کا نگیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

کوئی سیّد کا نہیں آہ بچانے والا حربے لاکھوں ہیں اور ایک نہ زخم اٹھانے والا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لو چلتی ہے

کہیں دم لینے کو سایا نہیں ہے وقت زوال اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی شدت کا کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال دل جو ڈھلتا ہے تو حضرتؑ سے ہوئے جاتے ہیں نڈھال
مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
قمر برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر بہرِ حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہلِ کیں کہتے ہیں یہ تیغ ستم چمکا کر آبِ شمشیر پیو برچھیوں کے پھل کھا کر
یہ سخن سنکے بھی غصّہ نہیں فرماتے ہیں
یاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِّ غفور　　تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا تیغوں سے چور　　ہاتھ اُمت پہ اُٹھانا نہیں مجھ کو منظور
جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں

تو نے بچپن میں مرے ناز اٹھائے یارب　　وہ عنایت کیا جو میں نے کیا تجھ سے طلب
تیرا محبوب بنا عید کو میرا مرکب　　روزہ رکھا تو چھپا ہر بھی اور ہو گئی شب
بھوک میں کھانا مجھے خلد کا امداد کیا
بھیج کر ہرنی کا بچہ مرا دل شاد کیا

اب اگر ہے یہ تری مصلحت اے ربِّ قدیر　　ہو رواں حلق پہ اس سے پیا کے آبِ شمشیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیرؑ　　حکم حاکم میں یہ طاقت ہے کروں میں تاخیر
جلد گردن پہ رواں خنجرِ براں ہو ئے
اب خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہوئے

غم نہیں کچھ مجھے گو بیکس و بے یار ہوں میں　　زیرِ شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
تو مددگار ہے مختار ہے ناچار ہوں میں　　وقت مشکل ہے عنایت کا طلبگار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جائے
عہد طفلی کا جو وعدہ ہے ادا ہو جائے

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بارِ خدا　　بندگی کا جو تری حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوفِ محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا　　ہو گی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

میں تری راہ میں مظلومی سے ہوتا ہوں فدا　　تو ہے آگاہ کہ دو دن کا ہوں بھوکا پیاسا
چاہتا ہوں کہ یہی ہو اپنی شہادت کا صلہ　　مغفرت اُمتِ عاصی کی ہو اے بارِ خدا
ہے گوارا مجھے جو کچھ کہ اذیت ہوئے
ان کو دُنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہوئے

عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہِ بندہ نواز　　یک بیک عالمِ بالا سے یہ آئی آواز
اے مرے شیر کے فرزند نبیؐ کے دمساز　　تجھ سے ہم خوش ہیں پذیرا ہے ترا عجز و نیاز
فرد ہے عاشقِ کامل ہے وفادار ہے تو
جو کہا تھا وہ کیا صادق الاقرار ہے تو

تجھ سا عابد نہ ہوا ہے نہ کوئی ہوئے گا　　تیر کھا کھا کے کسی نے بھی نہ یوں شکر کیا
طاعتِ خلق سے اک سجدہ ہے بالا تیرا　　عرشِ اعظم پہ ملائک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر میری محبت میں فدا تو نے کیا
بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا

حشر تک روئے گا مظلومی پہ تیرے عالم　　تیرا ماتم نہیں ہوئے گا جہاں میں کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم　　آئیں گے جسکی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبہ میں سوا ہوئے گی
خاک تربت کی تری خاک شفا ہوئیگی

یہ صدا سنکے ہوئے شاد شہ ہر دوسرا　　آگئی از سر نو جسم میں طاقت گویا
جھک کے سجدے کی طرف عجز سے رو کر یہ کہا　　میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے
اس کف خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے

ابھی مولا نے سر عجز اٹھایا تھا نہ آہ　　نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امام ذیجاہ　　آئی خالق قیامت کی صدا بسم اللہ
تھامنے آئے علیؑ خلد سے گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوب خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

اک جفا کیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا　　چھد گیا توڑ کے سینہ کو کلیجہ سارا
پشت تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا　　گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
گرد آلود قبائے شہ پر نور ہوئی
ریت زخموں کے لئے مرہم کافور ہوئی

خاک اور خون میں تڑپتے تھے شہنشاہ زمن
گل کے مانند کھلے جاتے تھے سب زخمِ بدن
طلب آب میں کھوئے ہوئے تھے خشک دہن
گرد کھینچے ہوئے تلوار کھڑے تھے دشمن
غمِ ناموس بھی تھا پیاس کی بھی شدت تھی
پر سکینہؑ کو نہ دیکھ آئے یہی حسرت تھی

کان میں آتی تھی زینبؑ کے صدائے جانکاہ
دل تڑپ جاتا تھا جب درد سے کرتے تھے آہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ
نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تن زخمی میں جو پیکان ستم گڑتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

سوز

حسینؑ جبکہ چلے بعد دوپہر رن کو
کوئی نہ تھا کہ جو تھامے رکاب تو سن کو
حسینؑ جھکے کھڑے تھے جھکائے گردن کو
سکینہؑ جھاڑ رہی تھیں قبا کے دامن کو
نہ آسرا تھا کوئی شاہ کربلائی کو
فقط بہن نے کیا تھا سوار بھائی کو

مرثیہ نمبر ۵۶

شہادتِ حضرت امام حسینؑ

جب یہ لشکر ہوئی مولا کی جماعت میں بہم ہر نمازی کو پسند آئی اقامت رن میں
قبلۂ دیں نے کیا قصدِ عبادت رن میں شکلِ محراب بنی تیغِ شہادت رن میں
غل ہوا اس کو امامِ دو جہاں کہتے ہیں
تیغوں کے سایہ میں شبیرؑ اذاں کہتے ہیں

ملکِ حق سے ہوئے حاملِ عرشِ اعظم کربلا جانے کا فرمان ہوا ہم کو اسدم
تا شریک شہِ تنہا ہوں عبادت میں ہم سب صفیں باندھ چلیں پشتِ امامِ اکرم
آج تک ہم نے کیا عرش علا پر سجدہ
اب سوئے کعبہ کریں خاک شفا پر سجدہ

آئی آواز کہ سب تُو نے تبا اسے ہم نے دیا ہم نے صلبِ شہِ مرداں سے اسے خلق کیا
جب یہ پیدا ہوا تو منہ سے مرا نام لیا کیوں نہ ہو اس نے مری فاطمہؑ کا دودھ پیا
قدر داں اس کا میں ہوں میرا شناسا ہے یہ
کیوں نہ ہو میرے محمدؐ کا نواسا ہے یہ

یہ ہے وہ فرض کہ تنہا ہی ادا کرتے ہیں میرے عاشق تہ شمشیر پڑھا کرتے ہیں
سر قلم ہوتا ہے وہ شکر خدا کرتے ہیں صادق الوعدہ یونہی وعدہ وفا کرتے ہیں

ہم نماز اُس کے جنازہ کی جو پڑھوائیں گے
تم بھی جانا کہ رسولان سلف آئیں گے

ساکن عرش بریں نے لگے نالہ و آہ شاہ تکبیر یہاں کہہ چکے اللہ اللہ
اور اقامت میں ہوا صرف امام ذیجاہ جان احمدؐ پہ گرے آن کے لاکھوں گمراہ

سورۂ حمد نبیؐ زادہ پڑھا چاہتا تھا
شمر خنجر لئے سینہ پہ چڑھا چاہتا تھا

نیم بسمل نے زباں سے جو کہا بسم اللہ تیر مارا ابوایوب نے لب پر ناگاہ
در سے سیدانیاں چلائیں کہ انا للہ ہائے یہ ظلم نمازی پہ عیاذاً باللہ

واجب القتل کو ہے آب و غذا کی مہلت
جان زہراؑ کو نہیں فرض خدا کی مہلت

زینت عرش خدا خاک پہ افتادہ ہے نہ بچھونا ہے نہ مسند ہے نہ سجادہ ہے
شمر خنجر لئے بالیں پہ استادہ ہے کوئی اتنا نہیں کہتا کہ نبیؐ زادہ ہے

قصد سجدہ کا اِدھر قبلہ دیں کرتا ہے
نیت ذبح اِدھر شمر لعیں کرتا ہے

آہ آخر جو ہوئی شہؑ کی نماز آخر دیکھا خنجر لئے بالیں پہ کھڑا ہے کافر
ننگے سر دَر پہ ہے سب آلِ رسولؐ طاہر ملک الموت پکارا کہ ہوں میں بھی حاضر
تیغ قاتل نے کہا حلق کی خاطر ہو نہیں
شہ نے فرمایا کہ تقدیر پہ شاکر ہو نہیں

خنجرِ ظلم کو چمکا کے پکارا دشمن بوسگاہِ نبویؐ کاٹوں میں اب یا گردن
بولے شہ جسمیں تو راضی ہو نہیں دے سکتے حلق یہ حلقِ نبیؐ ہے یہ بدن اُنکا بدن
دیکھ سر ننگے ہر اک حور جناں آتی ہے
ابھی سینہ پہ نہ چڑھنا مری ماں آتی ہے

ناگہاں آئی یہ آواز کہ اماں صدقے میرے ماں باپ فدا میں تیرے قرباں صدقے
کون کون آج ہوا تجھ پہ مریجاں صدقے شیر کتنے ہوئے کتنے ہوئے ناداں صدقے
قتل گہ کو ابھی جنّت سے جو میں آتی تھی
حور ایک ننھے سے لاشہ کو لئے جاتی تھی

دور سے میں نے کھڑے ہو کے جو کی اس پہ نظر دودھ سے باچھیں لہو سے تھا بدن اس کا تر
باہیں ننھی سی لٹکتی تھیں ادھر اور اُدھر رو کے شہ بولے وہ پوتا تھا ہمارا اصغر
نخل اس باغ کے بے پھول پھلے کٹتے ہیں
اب تلک صبح سے پیاسوں کے گلے کٹتے ہیں

قافلہ لُٹ گیا اماں مرا لشکر نہ رہا جدِ امجد کی نشانی علی اکبرؑ نہ رہا
رہ گیا دردِ کمر بہنوں کا بھائی نہ رہا اب خبر آپ نے لی گھر کی کہ جب گھر نہ رہا
ایک میں ہوں کہ مجھے ذبح کی مُشتاقی ہے
بوسہ گاہ نبویؐ کٹنے کو اب باقی ہے

تُم دمِ ذبح یہ پوچھے مرے ارماں کرنا لیکے گودی میں خُدا پر مجھے قرباں کرنا
میرے لاشہ پہ فقط نالہ و افغاں کرنا عرش کے نیچے نہ بالوں کو پریشاں کرنا
قلزمِ قہرِ خُدا جوش میں گر آوے گا
اُمّتِ جد کا سفینہ ابھی بہ جاویگا

گفتگو مادر و فرزند میں ہوتی تھی آہ روتی تھی فاطمہؑ مشتاق شہادت تھے شاہ
آستیں غصّہ میں ظالم نے چڑھائی ناگاہ قہرِ جلّا دیہ کی شاہ نے حسرت سے نگاہ
شمر نے پوچھا کوئی عذر تمھیں اب تو نہیں
بولے شہ دیکھ لے دروازے پہ زینب تو نہیں

وہ پکارا نظر آتی نہیں دختر زینبؑ پیٹتی پھرتی ہے خیمہ میں کھُلے سر زینبؑ
گر قناتوں سے چلی آئیگی باہر زینبؑ روک سکنے کی نہیں پر مرا خنجر زینبؑ
حلق کو آپ کے بے خوف و خطر کاٹوں گا
ایک خنجر سے بہن بھائی کے سر کاٹوں گا

آئی زہراؑ کی صدا شمر تو نابینا ہے در زیبِ یتیم نہیں ہالۂ مہ پر زہراؑ ہے
ارے بے رحم خطا میرے پسر کی کیا ہے آستیں اُلٹی ہے کیوں تیغ کو کیوں کھینچا ہے
کیا اسے پالا تھا میں نے ترے خنجر کے لئے
میرے بچے کو نہ کر ذبح یہ میرے کے لئے

یہ سُنا شمر نے اور حلق پہ خنجر رکھا بڑھ کے زہراؑ نے گلا خشک گلے پر رکھا
بوسہ شہ رگ پہ دیا زانو پہ پھر سر رکھا اور دامان کفن آنکھوں پہ رو کر رکھا
درد دل سے جگر فاطمہؑ شق ہونے لگا
گود میں محسنِ معصوم تھا وہ رونے لگا

دیکھکر حلق پہ شبیرؑ کے خنجر زہراؑ خاک پہ لوٹ گئی کوکھ پکڑ کر زہراؑ
گھبرے نالاں تھی سوئے قبر پیمبر زہراؑ گھبرے کہتی تھی نجف کو یہ کھُلے سر زہراؑ
دادرس کوئی نہیں دیر سے چلّاتی ہوں
یا علیؑ یا علیؑ آؤ میں لٹی جاتی ہوں

کبھی مقتل کو یہ چلّاتی اکبرؑ اکبرؑ دیکھو خنجر کے تلے پاؤں رگڑتا ہے پدر
استغاثہ یہ کبھی کرتی تھی سوئے لشکر دیکھو اے لشکر یو کٹتا ہے مہمان کا سر
حاکم وقت کی خاطر یہ زبوں ہوتا ہے
بے گناہ ایک نبیؐ زادے کا خوں ہوتا ہے

کلمہ گویو مرے سیّد کو بچاؤ للہ اے مسلمانو کچھ انصاف پہ آؤ للہ!
کوفیو پانی ذبیحہ کو پلاؤ للہ رحم سیدانی کے فرزند پہ کھاؤ للہ
ترس تم کو نہیں یہ ریت پہ افتادہ ہے
آخر اے لوگو مسلماں ہے نبی زادہ ہے

پہونچا خیمہ میں جو یہ شور فغان زہراؑ آئے دروازہ پہ سب خورد و کلان زہراؑ
رن میں آیا نہ نظر راحتِ جانِ زہراؑ کہا زینبؑ نے کہ مٹتا ہے نشان زہراؑ
اماں کے رونے پہ اسدم مرا دل پھٹتا ہے
اے نبیؐ زادیو سیّد کا گلا کٹتا ہے

سوز

اقربا کٹ گئے جب شاہ کے باری باری اور عدم چلنے کی اس شاہ نے کی تیاری
خیمہ کا پردہ اُٹھا زین العباد باری دیکھ مقتل کی طرف کرنے لگا یوں زاری
خُلد کے کوچ میں ہم کو نہیں بُلواتے ہو
قافلہ والو ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہو

مرثیہ نمبر ۵۷

شہادت حضرت امام حسینؑ

برباد جب مرقعۂ خیر النساء ہوا
اور یک قلم چمن مرتضا ہوا

پھر اقتلوا الحسین کا غل جا بجا ہوا
سبط نبیؐ پہ نرغۂ اہل جفا ہوا

خنجر قلق کا فاطمہؑ کے دل پہ چل گیا
زہراؑ کا چاند ظلم کے بادل میں گھر گیا

سوکھی زباں حسینؑ تو سب کو دکھاتے تھے
واں جبرئیل آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے

یاں نیزہ کھا کے گھوڑے سے شہ ڈگمگاتے تھے
واں حاملان عرش بریں کانپ جاتے تھے

جنت میں تھا یہ حال رسولان نیک کا
بے تیغ کٹ رہا تھا گلا ایک ایک کا

سب کو قلق تھا بر ملک الموت نامور
بیٹھے تھے زیر سایۂ طوبیٰ جھکائے سر

لکھا ہے راویوں نے کہ طوبیٰ ہے اک شجر
ہر برگ پر ہے اس کے رقم نام ہر بشر

افتادہ جس کے نام کا وہ برگ پلتے ہیں
پھر قبض روح کو ملک الموت آتے ہیں

پر صبح قتل سے نہ حواس اُن کے تھے بجا | گہہ سکتہ گاہ غش کبھی نالہ کبھی بکا
رہ میں تو کٹ رہا تھا گلستانِ مرتضا | طوبیٰ سے گر رہے تھے وہاں برگ پر ضیا

اکبرؑ کے نام کا علی اصغرؑ کے نام کا
کیا مٹ رہا تھا نام رسولؐ انام کا

لکھا ہے ایک برگ تھا طوبیٰ کا تاجِ سر | نکہت میں عطر رنگ میں گل نور میں قمر
ناگاہ وقت عصر گرا وہ بھی ٹوٹ کر | اُلفت سے اُس کی جھک گیا کرتے ہی وہ شجر

آئی ندا کہ حیدر صفدر کا نام لو
ہاں اے فرشتو دوڑ کے طوبیٰ کو تھام لو

اَحوال ہو گیا ملک الموت کا تباہ! | اُس نے وہ برگ اُٹھا کے جو کی نام پر نگاہ
دیکھا حسینؑ بن علیؑ فدیۂ اِلٰہ | عمامہ کو پٹک کے کہا وا محمدؐا آہ

ہے ہے مرا نواسہ مرا ابن فاطمہؑ
ہوتا ہے پنجتن کا زمانہ سے خاتمہ

وہ برگ لے کے خلد میں آکر برہنہ سر | قصرِ علیؑ میں ڈھونڈھا علیؑ کو اِدھر اُدھر
دیکھا پڑا ہوا ہے عمامہ زمین پر | پوچھا تو ایک حور یہ چلّائی پیٹ کر

کیا جانے کیوں زمین کے فرشتے رو رہے ہیں
سنتے ہیں کربلا کو ابھی وہ سدھا رہے ہیں

سر پیٹتا ہوا وہ سوئے قتل گہ چلا
پہونچا بوقت عصر سرِ دشتِ کربلا

غش تھے علیؑ گلے پہ رکھے پیالے سے گلا
اور ایڑیاں رگڑتا تھا زہرا کا لاڈلا

زانوئے سرِ حسینؑ کے نیچے علیؑ کا تھا
اور سینۂ حسینؑ پہ زانو شقی کا تھا

دیکھا گیا ملک سے نہ حال شہ زماں
رو کر نکالا جیب سے گلدستۂ جناں

کی عرض مرتضےٰ سے کہ اے شاہ انس و جاں
ہے اذن قبض میں کروں جان نبیؐ کی جاں

منھ پھیر کر علیؑ نے کہا اختیار ہے
پر اپنی والدہ کا انھیں انتظار ہے

ناگاہ پشت سے یہ چلائی فاطمہؑ
شبیر السلام علیک آئی فاطمہؑ

سنکر تمھاری بیکسی و تنہائی فاطمہؑ
پیارے کے ناتوان کو بھی لائی فاطمہؑ

مقتل میں اس لئے ہوا وقفہ بتولؑ کو
ہر لاش پر غش آتا تھا واری رسولؐ کو

آئی تھی آرزو میں کہ دیدار دیکھوں گی
کیا جانتی تھی آخری دیدار دیکھونگی

اک سنگدل کو سینہ پہ اسوار دیکھونگی
سیّد کے گرد نرغۂ کفّار دیکھوں گی

ہے ہے یہ ظلم خاک میں ان کو ملاؤنگی
واری میں آج عرش کا پایہ ہلاؤنگی

بولے علیؑ کہ صبر کر اے مادر حسینؑ
محشر تلک ہے اب تیری قسمت میں شور و شین

منظور اب حسینؑ کی تکلیف ہے کہ چین
اُس نے کہا گواہ ہے معبود مشرقین

میں نے سوال بعد نمازوں کے جب کیا
آرام و چین بچوں کا اپنے طلب کیا

فرمایا ام تضلے نے کہ اے بنت مصطفاؐ
اب غور کر حسینؑ کی تکلیف پر ذرا

سینہ پہ اُسکے دیر سے بیٹھا ہے بے حیا
دو قبض رُوح کی ملک الموت کو رضا

راحت ہے اس کے مرنے میں ایذا جینے میں
اب درد ہے بہت مرے بچے کے سینے میں

راضی تو وہ ہوئی پہ کہا یا ابوالحسنؑ
تم کہہ دو میرے مُنھ سے نہ نکلے گا یہ سخن

کیا عُذر ہے جو مرضئ معبود ذوالمنن
پر ٹکڑے ٹکڑے ہے مرے بچہ کا سب بدن

یوں قبض عضو عضو سے رُوح حسینؑ ہو
زخموں میں جتنا درد ہے اُتنا ہی چین ہو

آواز غیب آئی کہ ہرگز نہ ہو مُلول
محکوم انکا ہے ملک الموت اے بتول

ان کے غلاموں کی نہیں ایذا اسے قبول
قدرت کے بوستان کا گل ہے یہ ایک پھول

عزت بڑی ہے سب سے ترے نورعین کی
میں آپ قبض رُوح کروں گا حسینؑ کی

کرتی تھی بین فاطمہؑ رو رو کے زار زار | حاشا نہ قبض روح کی ایذا تھی زینہار
اور چل رہی تھی شہ کے گلے پر چھری کی دھار | پر تیغ تھی یہ کند کہ کہتی تھی بار بار

کٹتے ہی سر کے بنت نبیؐ کو غش آگیا
پالیں پہ مصطفیٰؐ و علیؑ کو غش آگیا

غش سے جو آئی ہوش میں پھر مادر وطن | دیکھا تڑپ رہا ہے تن اطہر حسینؑ
نکلی ہے نی بیوں کو لئے خواہر حسینؑ | نے رخت نہ قبا نہ کلاہ سر حسینؑ

آغوش میں لیا وہ بدن لوٹتا ہوا
پوچھا علیؑ سے سر مرے بچہؑ کا کیا ہوا

رو کر کہا علیؑ نے کہ میرے لکا سر | وہ شمر زلفیں پکڑے لئے جاتا ہے ادھر
سر پیٹ کے حسینؑ کی مادر نے کی نظر | چلائیں کس طرف ہے، کہاں ہے کدھر کدھر

کیونکر بلائیں دوڑ کے لوں دست و پا نہیں
یا مرتضیٰ علیؑ مجھے کچھ سوجھتا نہیں

مرثیہ نمبر ۵۸

شہادت حضرت امام حسینؑ

تسبیح فاطمہؑ کے جو دانے بکھر گئے
تنہا رہے حسینؑ نمازی گزر گئے
پیرو امام پاک کے سب کوچ کر گئے
باہم تھا جن سے رشتۂ الفت وہ مر گئے
سو داغ اور ایک دلِ حق شناس تھا
کوئی نہ وقت ظہر نمازی کے پاس تھا

شہ بولے منتظر ہے امام اے نمازیو
اچھا نہیں یہ خواب گراں اے نمازیو
اٹھو کہ ہو چکی ہے اذاں اے نمازیو
پھر پاؤ گے یہ وقت کہاں اے نمازیو
چھوڑا ابھی سے تم نے امام حجاز کو
آؤ صفیں جما کے کھڑے ہو نماز کو

فرما کے یہ سخن در دولت پہ آئے شاہ
صدمہ ہوا الٹی ہوئی دیکھی جو بارگاہ
یاور کوئی تھا اب نہ درباں کوئی تھا آہ
اک ہو کا تھا مقام جدھر کرتے تھے نگاہ
وحشت برستی تھی در دولت اوداس تھا
ہر سو ہجوم یاس فضاؤں کے پاس تھا

ڈیوڑھی پہ آکے رونے لگے شاہ بحر و بر گھبرا کے آئی دختر زہرا قریب تر!
دیکھا جو بھائی کو تو پکاری وہ نوحہ گر تشریف لائے کب سے مجھے مطلق نہیں خبر
طاقت کہاں ہے تن میں نہ چلّا کے روئیے
بھیّا بہن نثار یہاں آکے روئیے

رو کر کہا امام نے اے بنتِ مرتضیٰؑ کیونکر نہ روؤں زیست کا اب کیا مزا رہا
پیری میں چھٹ گیا علی اکبرؑ سا سامنا لقا بھائی نہ بھانجے نہ بھتیجے نہ دلربا
رانڈوں کو مُنہ دکھانے کو جی چاہتا نہیں
گھر میں بہن اب آنے کو جی چاہتا نہیں

بولی تڑپ کے زینبؑ بیکس کہ ہے ستم جی بھر کے تم کو دیکھ تو لوں میں اسیرِ غم
پردے سے باہر آئی سکینہؑ بچشمِ نم بیٹی کے ساتھ خیمے میں آئے شہِ اُمم
تھا اس کا ہاتھ شاہِ مدینہ کے ہاتھ میں
دامنِ حسینؑ کا تھا سکینہؑ کے ہاتھ میں

فرماتے تھے حسینؑ یہ آنسو بہا بہا لو الوداع اے حرمِ پاک مصطفیٰؐ
مشتاق آبِ تیغ ہے سو کھا ہوا گلا تقدیر میں فراق لکھا تھا کروں میں کیا
بیٹا نہ پاس ہے نہ برادر قریب ہے
اب وقت قتل سبطِ پیمبر قریب ہے

کہتے ہیں شاہ شکر کرو غم نہ چاہیئے خاصانِ خدا کا دُکھ میں یہ عالم نہ چاہیئے
بہتر یہ ہے کہ چشم بھی پُرنم نہ چاہیئے آج امتحانِ صبر ہے ماتم نہ چاہیئے
ہم دیں خدا کے عشق میں جاں اشتیاق سے
تڑپو نہ تم بھی صدمۂ تیغ فراق سے

ہر شخص کو جہاں سے گزرنا ہے ایک دن بحرِ فنا سے پار اُترنا ہے ایک دن
منزل یہ ہے طے جسے کرنا ہے ایک دن گر عمر نوح بھی ہو تو مرنا ہے ایک دن
عاقل وہ ہے جو دھیان رکھے اپنی موت کا
جو نفس ہے، وہ ذائقہ چکھے گا موت کا

سمجھا تھا میں کہ دُکھ میں نہ گھبراؤ گی بہن لب پر ہرگز کسی کے نہ سخن لاؤ گی بہن
رانڈیں بکا کریں گی تو سمجھاؤ گی بہن رو رو کے جان دو گی تو کیا پاؤ گی بہن
قسمت سے اپنا زور چلے یہ محال ہے
زینبؑ اجل کا وقت ٹلے یہ محال ہے

بانوئے جہاں میں یونہی رہتا ہے انقلاب راحت میں کوئی ہے تو کسی کو ہے اضطراب
روشن کبھی ہے گل کبھی قندیل آفتاب طفلی کبھی بڑھاپا کبھی اور کبھی شباب
رنج و الم ہے راحت و غم اور سرور ہے
انجام کار خاک میں ملنا ضرور ہے

آنکھوں سے خون بہا کے پکاریں بصد تعب — اس دن کی تھی نہ مجھکو خبر کیا کروں میں اب
کر رحم مجھ پہ اے مرے آقا ترے لقب — جنگل میں لاج لٹتی ہے لونڈی کا ہے غضب
یوں دفعتاً بنی ہوئی قسمت بگڑتی ہے
ہے ہے کدھر میں جاؤں کہ دنیا اجڑتی ہے

قدموں سے سر اٹھا کے شہ دیں نے یہ کہا — بیتاب اس قدر نہ ہو بانو یہ کیا یہ کیا؟
راضی رہو اسی پہ جو خالق کی ہے رضا — اہل ولا کے واسطے دنیا ہے یہ بلا
شوہر جدا ہو یا پسر مہ لقا چھٹے
ہاتھوں سے صبر کا نہ مگر سلسلہ چھٹے

وہاں سے ہٹے یہ کہہ کے شہنشاہِ نامدار — روئے گلے لگا کے بہت سب کو بار بار
پہلو میں تھی جو بالی سکینہؑ جگر فگار — آغوش میں لیا اسے جھک کر بحال زار
رو رو کے غش ہوئی جو وہ سرور کی گود میں
اک آہ بھر کے دے دیا خواہر کی گود میں

لٹتا ہے راج بانوئے غمخوار کیا کریں — بھائی سے چھٹ کے زینبؑ ناچار کیا کریں
سیدانیاں ہیں دکھ میں گرفتار کیا کریں — خود جاں بلب مسیحا ہیں بیمار کیا کریں
دنیا سے کوچ ہے جو محمدؐ کے جائے کا
خیموں میں چار سمت ہے غل ہائے ہائے کا

مرثیہ نمبر ۵۹

شہادت حضرت امام حسینؑ

جس دم نگین خاتم پیغمبراں گرا — رونق اٹھی زمیں سے امام زماں گرا
گرنے پہ سب گروہ لئے برچھیاں گرا — ہے ہے نہ ان جفاؤں پہ بھی آسماں گرا
زہراؑ سے پوچھئے یہ قلق نورعین کا
تپنا زمیں کا اور تڑپنا حسینؑ کا

مشتاق سیر ذبح بڑھے افسرانِ کیں — قاتل کئی کھڑے ہوئے آکر قریں قریں
کوئی پکارا ہاں کوئی بولا ابھی نہیں — اب دیر کیا ہے سجدہ میں کہہ لینے دو حسینؑ
آواز دی عمر نے ہے گردن ڈھلی ہوئی
قاتل پکارا آنکھ ابھی ہے کھلی ہوئی

سب تھم گئے مگر نہ تھما شمر بدنشیم — سر پیٹنے کی جا ہے رکھا اس جگہ قدم
سینہ دبا لو اور بھی تڑپے شہ اُمم — شور فغاں سنا اسی حالت میں دم بدم
قاتل سے پوچھا دیکھ کہ ہر غل یہ ہوتا ہے
ہے ہے حسینؑ کہکے کوئی رنمیں روتا ہے

وہ بولا کوئی ہوگا میں دیکھوں بھلا کدھر　　اب تیغ پر نگاہ ہے شہ رگ پہ ہے نظر
ہاں جب سوار ہونے لگا تھا میں سینہ پر　　سیدانی ایک نکلی تھی خیمہ سے ننگے سر
اسدم ہماری فوج میں توعید ہوتی ہے
مجکو یقین ہے یہ وہی بی بی روتی ہے

شہ بولے اور کوئی نہیں یہ بہن بہن　　عاشق بہن حسینؑ کی تشنہ دہن بہن
بھولی ہماری پیاری ہیں ماں کا چلن بہن　　بلوہ کہاں کہاں آمری خستہ تن بہن
قاتل پکارا آگے بھی باہر یہ آئی تھی
شہ بولے جب سناں علی اکبرؑ نے کھائی تھی

آگے ہے وہ مقام کہ غش ہونگے مومنیں　　یہ سامنے حسینؑ ہیں وہ زینبؑ حزیں
گردن پہ تیغ دل میں سناں سینہ پر لعیں　　زینبؑ یہ حال دیکھتی ہے اور بس نہیں
نامحرموں کا دھیان نہ پردے کا ہوش ہے
یہ سب لہو کا جوش ہے الفت کا جوش ہے

وہ رونا بیکسی کا وہ گھبرانا یاس کا　　وہ تھرتھرانا دل کا وہ اڑنا حواس کا
کہنا بلک بلک کے یہ کلمہ ہراس کا　　اے شمر واسطہ علی اصغرؑ کی پیاس کا
للہ تین روز کے پیاسے کو چھوڑ دے
صدقہ نبی کا اُن کے نواسے کو چھوڑ دے

تھم جا خدا کو مان حبیب خدا کو مان زہراؑ کو مان حضرت مشکلکشا کو مان
سوگند فقر و فاقۂ آل عبا کو مان! اپنی رسولؐ زادی کی تو التجا کو مان
سارے بزرگ مر گئے مجھ بدنصیب کے
میرا کوئی نہیں ہے سوا اس غریب کے

اے شمر پاس بھائی کے آؤں جو تو کہے زخموں سے جلتی ریت چھڑاؤں جو تو کہے
چادر بدن کے نیچے بچھاؤں جو تو کہے بیکل ہے سر میں آکے اٹھاؤں جو تو کہے
پانی تو یاں ملے گا نہ زہراؑ کی جائی کو!
آنسو چھڑک کے ہوش میں لاؤں گی بھائی کو

سونپا کسے بہن کو میں پوچھونگی بھائی سے پردیس میں بچھڑتے ہو زہراؑ کی جائی سے
یہ بیخطا ہے پوچھ لے ساری خدائی سے دعویٰ ہے کیا تجھے مری ماں کی کمائی سے
کچھ قرض ہو تو بیچ کے گھر کو ادا کروں
سمجھاؤں کس طرح تجھے میں آہ کیا کروں

اے شمر میں گلے سے لگا لوں تو ذبح کر بھائی کو سینے سے لگا لوں تو ذبح کر
کچھ درد اپنے دل کا سنا لوں تو ذبح کر سیدؑ کو قبلہ رو میں لٹا لوں تو ذبح کر
پانی تو بھوکے پیاسے کو اے بدخصال دے
ہے وقت ذبح آنکھوں پہ کپڑا تو ڈال دے

اے شمر تجھ کو خالق اکبرؑ کا واسطہ　　اے شمر تجھکو روح پیمبرؐ کا واسطہ
اے شمر تجھ کو حیدر صفدرؑ کا واسطہ　　اے شمر تجھ کو ننھے سے اصغرؑ کا واسطہ
للہ کر نہ ذبح شہ مشرقین کو!
میں بھیک مانگتی ہوں مجھے دے حسینؑ کو

یہ کہتے کہتے سست ہوئی دم الٹ گیا　　سر پٹتی یہ رہ گئی سر شہ کاٹ گیا
یوں لاش پر گری کہ جگر سب کا پھٹ گیا　　باہیں گلے میں ڈال کے لاشہ لپٹ گیا
ماں کی طرح تھی عاشق شاہ زمن بہن
یہ بھائی بھائی کہتی تھی لاشہ بہن بہن

اے عاشقان سبط پیمبر بکا کرو　　بہر غریب و بیکس و مضطر بکا کرو
لے لے کے نام کشتۂ خنجر بکا کرو　　یکسر اڑاؤ خاک سروں پر بکا کرو
سر تاج کائنات کا سر تن سے کٹ گیا
یہ دن وہ ہے کہ دفتر ایماں الٹ گیا

یہ دن وہ ہے کہ قتل ہوئے سرور زمن　　بکوے میں بے ردا ہوئی شبیرؑ کی بہن
ڈوبا لہو میں آج سکینہؑ کا پیرہن　　شہزادیوں کے شانے میں باندھی گئی رسن
یہ دن ہے رخصت شہ عالی مقام کا
ماتم کرو حسینؑ علیہ السلام کا

سوچو تو کربلائے معلّٰی کا آج حال — لوٹی گئی جنابِ رسولِ خداؐ کی آل
آج آفتابِ فاطمہؑ پر آگیا زوال — سرورؑ کی لاش ہوگئی مقتل میں پائمال
آج اُٹھ گئے امامِ دو عالم جہان سے
برسا ہے خون آج کے دن آسمان سے

یہ دن وہ ہے کہ قید ہوئے زار رونا لواں — مشکل کشا کے پوتے کو پہنائیں بیڑیاں
کاٹا سرِ حسینؑ کیا زینت سناں — لوٹا لباسِ لاشۂ پر خون مہمان
خیمہ جلا دیا شہِ عالی جناب کا
لوٹا تبرکاتِ رسالتؐ مآب کا

مدفوں ہوئے نہ شاہ زمن وا مصیبتا — ممکن ہوا نہ غسل و کفن وا مصیبتا
بھائی کو رو سکی نہ بہن وا مصیبتا — کیسے اُٹھائے رنج و محن وا مصیبتا
غم آج تک ہے خلق میں تازہ حسینؑ کا
اُٹھا نہ کربلا میں جنازہ حسینؑ کا

مرثیہ نمبر ۶۰

شہادت امام حسینؑ

جب یاور و رہے دلبر زہراؑ بچھڑ گیا
غربت میں کارخانۂ شاہی بگڑ گیا
پردیس میں حسینؑ پہ اک وقت پڑ گیا
اصغرؑ تلک بھی تیر ستم کھا کے مر گیا
یاور رہا نہ کوئی شہ مشرقین کا
دشمن زمانہ ہو گیا بے کس حسینؑ کا

میداں میں طبل جنگ بجاتے تھے اہل شام
رانڈوں کو دے رہے تھے تسلی یہاں امام
غش میں پڑے تھے حضرت سجادؑ تشنہ کام
دکھیا بہن حسینؑ کی کرتی تھی یہ کلام
فریاد ہے خدا کی دوہائی رسولؐ کی
غربت میں کھیتی لٹتی ہے اماں بتولؑ کی

گہ جا کے نزد عابدؑ مضطر وہ بے قرار
شانہ ہلا کے کہتی تھی با چشم اشکبار
بیٹا اٹھو اٹھو کہ ہوا حشر آشکار
مرنے چلا ہے فاطمہ زہراؑ کا گلعذار
ناشاد و نامراد سے منہ موڑے جاتے ہیں
بھائی حسینؑ ساتھ میرا چھوڑے جاتے ہیں

فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے غم کی مُبتلا بندہ کا دخل کیا ہے جو کچھ مرضیٔ خُدا
مٹتا نہیں ہے خواہش تقدیر کا لکھا تم صابرہ ہو صبر کرو بہر کبریا!
میں قتل ہوں یہ خواہش ربِّ جلیل ہے
راضی رضائے حق پہ یہ عبدِ ذلیل ہے

پھر بولے ساتھ کس کا رہا ہے سدا ہن پامال لاکھوں ہو گئے اس دہر میں چمن
ماتم کہیں بپا ہے کہیں کوئی خندہ زن شادی کہیں ہے ہوتی ہے بیوہ کوئی دلہن
کوئی پسر کو دیکھ کے دل شاد ہوتا ہے
غربت میں کوئی بیٹے کی میت پہ روتا ہے

خواہر سے کہہ رہے تھے یہ شاہنشہ ہُدا جو آئے کا نپتے ہوئے بیمار کربلا
کی عرض دست بستہ کہ اے فخر انبیاء حضرتؐ نے تو ارادۂ ملکِ بقا کیا
واجب ہے رحم حال پہ مجھ تشنہ کام کے
کیا حکم ہے حضور کا حق میں غلام کے

فرمایا شہ نے بعد مرے تم امام ہو وارث تمہیں تو عترتِ خیر الانام ہو
دادا کے ورثہ دار تمہی لا کلام ہو لیکن وہ کام کرنا کہ تا حشر نام ہو
تنہا نہیں ہو سر کا ہمارے بھی ساتھ ہے
پیرِ آبرو حسینؑ کی اب تیرے ہاتھ ہے

تم نائب امام ہو اور خود بھی ہو امام — وہ کام کرنا جس سے رہے تا بہ حشر نام
آئیں جو لوٹنے کے لئے ساکنانِ شام — شکوہ سے تب زبان کو مطلق رہے نہ کام
دکھلائیو نہ طور شہ ذوالفقار کے
دے دینا سر سے چادر زینبؑ اتار کے

اے میرے لال شان کریمی دکھائیو — خوش ہو کے پہنے بیڑیاں تا شام جائیو
زینبؑ کا سر کھلا ہے نہ غم اس کا کھائیو — اعدا پہنائیں طوق تو گردن جھکائیو
شکوہ نہ کیجیو کسی حال سقیم کا
کانٹا چبھے تو شکر ہی کرنا کریم کا

ہاں ایک بات کا تمھیں ہر دم رہے خیال — زینبؑ کا میرے غم میں بہت ہوگا غیر حال!
اکبرؑ ہیں اور رقیہؑ و محمدؑ سے نونہال — کھو بیٹھی میرے واسطے سب کچھ وہ خستہ حال
ہر دکھ میں ساتھ زینبؑ مضطر کا دیجیو
جس میں خوشی ہو ان کی وہی کام کیجیو

تلقین کر رہے تھے یہ شاہ ہدیٰ — جو آئی طبل جنگ کی میدان سے صدا
شہؑ نے لباس کہنہ بہن سے طلب کیا — دکھیاری بیبیوں میں قیامت ہوئی بپا
پہنا لباس مرگ شہ مشرقین نے
گردوں ہلایا زینبؑ بیکس کے بین نے

القصّہ دے کے سب کو تسلّی شہ ھُدا آئے قریب گھوڑے سے کے باصد غم و بکا
چاہا کہ ہوں سوار مگر دیکھتے ہیں کیا ڈیوڑھی پہ رو رہا ہے کھڑا اسپ باوفا
باقی کوئی عزیز ہے نے غمگسار ہے
سر کو جھکائے روتا فقط راہوار ہے

القصّہ چڑھ کے گھوڑے پہ سلطان تشنہ کام آئے قریب لشکر اعدا بہ احتشام
پڑھنے لگے یہ رجز کہ اے ساکنانِ شام تم کون ہو؟ میں کون ہوں؟ سوچو یہ ہے مقام
بیکس نہیں غریب نہیں بے نوا نہیں
بتلاؤ کیا میں دلبر شیر خدا نہیں

نانا ہے جس کا احمد مختار وہ ہوں میں بابا ہے جس کا حیدر کرار وہ ہوں میں
اماں ہے جس کی فاطمہؑ ناچار وہ ہوں میں جس کا کوئی نہیں ہے مددگار وہ ہوں میں
فاقہ میں مبتلا بھی ہوں اور نیم جاں بھی ہوں
تم سب کا میں امام بھی ہوں میہماں بھی ہوں

یہ کہتے تھے کہ فوجِ ستمگر پھر آ گئی! خیر النساء کے لال پہ بدلی سی چھا گئی
بھائی جو گھر گیا تو بہن بلبلا گئی فریاد فاطمہؑ کی فلک تک صدا گئی
وہاں گھر نبیؐ کی آل کا بے نور ہو گیا
زخموں سے وہاں تنِ شہ دیں چور ہو گیا

مرثیہ نمبر ۶۱

ذوالجناح کا خبر شہادت لانا

جب ذوالجناح خیمہ میں آیا لہو بھرا اور یہ کہا کہ بیبیوں کا سردار مر گیا
سب بی بیاں علیؑ کو پکاریں یہ غل مچا بیڑا ہے ہم غریبوں کا منجدھار میں پھنسا
تم حلّ مشکلات ہو شیر الٰہ ہو
ایسا نہ ہو کہ کشتی ہماری تباہ ہو

آنے سے ذوالجناح کے اک حشر تھا بپا ناگاہ آئے غارت خیمہ کو اشقیا
راوی نے یہ لکھا ہے وہ رہوار باوفا خیمے کے در کا روک کے رستہ کھڑا ہوا
نیزے عدو لگاتے تھے اس خوشخرام کو
لیکن نہ راہ دیتا تھا وہ فوج شام کو

زینبؑ در خیام سے دیتی تھی یہ صدا کیوں بے زباں کو تیر لگاتے ہو اشقیا
ہے ذوالجناح مرکب پیغمبر خدا زینبؑ کے سر کو کاٹا تو اس پر کرو جفا
اس کا گناہ کچھ نہیں یہ بے گناہ ہے
تم لوٹنے کو آتے ہو یہ سدّ راہ ہے

آنے دے کس طرح سے یہ ہے فاطمہؑ کا گھر اس گھر میں آیا تھا ملک الموت پوچھکر
بے وارثوں کو آہ ستاؤ نہ اس قدر میں تم کو لا دیتی ہوں جو کچھ ہے مال و زر
اس ذوالجناح پر نہ زیادہ جفا کرو
پانی دو بے زبان کو خوفِ خدا کرو

بولے عدو کہ پیاسا ہی ماریں گے اس کو ہم پانی دیا سوار کو اس کے نہ مرتے دم
رہوار سے جدا ہوئی زینبؑ بچشمِ نم حسرت سے ذوالجناح نے دیکھا بروئے غم
پانی نہ ظالموں نے دیا ذوالجناح کو
زینبؑ کے آگے ذبح کیا ذوالجناح کو

زینبؑ نے واحسینؑ کہا سر کو پیٹ کر دوڑی لبِ سکینہؑ و عابدؑ بیکس وہ نوحہ گر
نیزہ لگایا ایک ستمگر نے کھینچ کر! در آیا خیمہ گاہ میں سب لشکرِ عمر
کبرا تو خاک ملتی تھی چہرے پہ ہاتھ سے
کلثوم منہ چھپاتی تھی اپنا قنات سے

مقتل کی سمت دیکھ سینہ ہو بیقرار چلائی یا حسینؑ سکینہؑ ترے نثار
آؤ اگر سکینہؑ کو کرتے ہو دل سے پیار دیکھو کہ ہم پہ کرتے ہیں یہ ظلم بدشعار
پامال ہے تم نے مجھکو بھی اس التفات سے!
کھلوائیے طمانچہ نہ غیروں کے ہاتھ سے

مرثیہ نمبر ۶۲

عصر عاشور

جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؑ بجز اصغرؑ نہ رہا نورِ نگاہِ شبیرؑ
تھی فقط روحِ علیؑ پشت پناہِ شبیرؑ حق سے کہتے تھے کہ تو رہیو گواہ شبیرؑ
سر فدا کر کے شریک شہدا ہوتا ہوں
آج میں تیری امانت سے ادا ہوتا ہوں

ابنِ قاسمؑ مرا باقی ہے نہ اکبرؑ باقی نہ علمدار سلامت ہے نہ لشکر باقی
بھانجے بیٹے بھتیجے نہ برادر باقی اب فقط سر مرا باقی ہے اور اصغرؑ باقی
قتل اصغر ہوا مرا سر بھی جدا ہو جائے
اس امانت سے بھی شبیرؑ ادا ہو جائے

یا خدا تجھ پہ میں صدقے مرا لشکر بھی نثار دل فدا جان فدا روح فدا سر بھی نثار
علی اکبرؑ بھی نثار اور علی اصغر بھی نثار تجھ پہ باقرؑ بھی فدا عابدِ مضطر بھی نثار
میں نے جو کچھ ترے دربار سے پایا مولا
سب تری راہ میں خوش ہو کے لٹایا مولا

وہ کلیجہ پہ دھرے ہاتھ پڑے ہیں اکبرؑ | ہے وہ عباسؑ دلاور وہ حسنؑ کا دلبرؑ
ایک اک پیالے کو قربان کیا گن گن کر | کی امانت میں خیانت نہ ذرا اے داور
تو نے دولت تھی جو مجھ خاک نشیں کو سونپی
وہ امانت تری بندے نے زمیں کو سونپی

قتلِ عباسؑ سے ہو میں نے ترا شکر کیا | پر کمر ہو گئی خم اس میں گلہ کیا میرا
نکلا اکبرؑ کا بھی دم اشک نہ نکلا میرا | کی بدی نانا کی اُمت نے نہ بد میں نے کہا
یہ تو بندے ہیں ترے میں بھی ترا بندہ ہوں
دشتِ غربت میں پریشان سحر اگندہ ہوں

تو نے بچپن میں کھلائے ثمرِ خلد بریں | اب اگر تیسرا فاقہ ہے نہیں کچھ میں حزیں
چوسی چھٹپن میں زبان نبیؐ عرشِ نشیں | آج اگر پینے کو پانی نہیں تو خیر نہیں
ایک دن حلق تھا اور فاطمہؑ کے شیر کی دھار
آج راضی ہوں گلے پر جو ہو شمشیر کی دھار

دُرِ دنداں مرے نانا نے تجھے نذر دیا | لے گئیں نذر کو پہلوئے شکستہ زہراؑ
سُرخرو ہے ترے دربار میں بابا میرا | دل کے ٹکڑے نے مرے بھائی نے کٹ کے تجھ پہ فدا
آج شبیرؑ بھی ان سب کے مقابل ہو جائے
سر مرا گر ترے دربار کے قابل ہو جائے

ہے تو ہی شاہ شہنشاہوں کا اے بارِ خدا | ہیں برابر تری سرکار میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشقِ جانباز ہے البتہ رسوا | اے خوشا حال ہو اچھے سے ترا عشق ادا

حلق پر تیغ رہے سینہ پہ جلاّد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے

سر مرا کٹ کے یقیں ہے سوئے کوفہ جائے | پھر یہ محتاج بھلا نذر تری کیا لائے
تیرا اصغر کو مگر ہاتھوں پہ اب کھلوائے | درجۂ صبر جو باقی ہے وہ سب ہاتھ آئے

پیشکش لائے شہِ اصغر تو بھلا لائے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں کیا آئے حسینؑ

بندہ پرور میں ہوں اک عبدِ غریب احقر | بیکس و بے پدر و بے وطن و بے مادر
منزلِ ملکِ عدم میں تو مرا ہو رہبر | نہ تو اس راہ سے آگاہ نہ منزل سے خبر

شوق بھی رغب بھی مجھ کو تری درگاہ کا ہے
سامنا بندۂ ناچیز کو اللہ کا ہے!

تین دن تڑپا ہے یا پیاس کی شدت سے حسینؑ | اب ہو سیراب تری قلزمِ رحمت سے حسینؑ
ڈر نہ جائے ملکُ الموت کی ہیبت سے حسینؑ | یا خدا کانپتا ہے قبر کی دہشت سے حسینؑ

آج تک ساتھ رہا بیٹے کا اور بھائی کا
سخت اندیشہ ہے اب قبر کی تنہائی کا

ناگہاں آئی یہ آواز خدائے کونین | بس مرے بندۂ بیکس مرے مظلوم حسینؑ
شکر وہ کرتا ہے تو آج بصد شیون و شین | مجھ کو شرم آتی ہے اے فاطمہؑ کے نورالعین

تشنہ کامی میں نہیں کام لبِ دریا سے
آفریں اے مرے چوبیس ہزار کے پیاسے

اے حسینؑ اپنی ہی قدرت کی میں کھاتا ہوں قسم | تیرے غمخواروں کو محشر میں نہ ہوگا کچھ غم
سختیٔ موت و غلامانِ تہ تیغ ستم | قبر ہے تعزیہ داروں کی ترے باغِ ارم

تو عبث موت کی سختی سے ہراساں ہے حسینؑ
ملک الموت ترا تابع فرماں ہے حسینؑ

بس یہی ہے ملک الموت کے آنے کا مآل | کہ تری روح کا واجب ہے اُسے استقبال
بے ترے حکم ہلانے کا نہیں وہ پر و بال | سب خدائی تری محکوم ہے زہراؑ کے لال

راہِ حق میں تجھے ثابت قدمی ہے شبیرؑ
میرے دربار میں کس شے کی کمی ہے شبیرؑ

واہ کس درجہ خوش خالق اکبرؑ کو کیا | وہ اپنا ہی تھا پر نذر بہتر کو کیا
مرحبا ہم سے پیارا علی اکبرؑ کو کیا | پیشکش کیلئے تحویز اب اصغرؑ کو کیا

نذر مقبول ہے آؤ ہمیں دے جاؤ حسینؑ
میرے دربار سے جو چاہو وہ لے جاؤ حسینؑ

حلّے فردوس کے بانٹے گا تو ہی روزِ جزا | پر کفن تیرے جنازہ کو نہیں ملنے کا
بلکہ پامال ترا لاشۂ بے سر ہو گا | وحشتِ قبر سے اے سبطِ نبیؐ تم کو کیا

خاک سے لاشۂ مجروح اٹھائے گا خدا!
پہلوئے عرش میں پاس اپنے جگہ دیگا خدا

عرش کو تھامے ہوئے رہیو تو تا روزِ شمار | کیجیو اپنے محبّوں کیلئے استغفار
اپنے نانا کی بھی اُمّت کے تمھیں ہو مختار | چاہو جنّت دو انھیں چاہو کرو داخلِ نار

جز خدا اور کوئی کیا تری عزّت جانے
ہم نے مالک کیا تم جانو اور اُمت جانے

بولے شہ سُن کے یہ فرمانِ خدا کا مضمون | سب تری بندہ نوازی ہے میں کس لائق ہوں
خونبہا کیسا مجھے تو نہیں کچھ دعوئے خوں | کیا مرا رتبہ جو مختاریٔ محشر میں کروں

بس یہ کافی ہے کہ مقبول شہادت ہوئے
تو رضامند ہوا اور بخشش اُمّت ہوئے

یاں تو یہ عاشق و معشوق میں ہوتے تھے کلام | ہائے اصغر کا ہوا شور جو مابین خیام
ہوئی تشویش تو مُڑ مُڑ کے لگے تکنے امام | دیکھا سر پیٹ کے چلّاتی ہے بانوِ ناکام

ساتھ یہ ننھا مسافر بھی مرا چھوڑتا ہے
آہ صاحب مرا بچہ یہاں دم توڑتا ہے

شہؑ نے اصغرؑ کو لیا آن کے بولے رُو رُو | کیا یہاں روتے ہو لو پاس تم اکبرؑ کے چلو
بیٹا مرتے ہو تو اُمت پہ فدا ہو کے مرو | پوچھا بانو سے تم اسمیں کہو کیا کہتی ہو
بولی ہر طرح سے راضی ہوں جو ارشاد کرو
چاہے ویراں کرو چاہے مجھے آباد کرو

سوز

سحر کے ڈوبتے تارے سلام کہتے ہیں | اُبلتی نہر کے دھارے سلام کہتے ہیں
خلیل حق کے اشارے سلام کہتے ہیں | کلام پاک کے پارے سلام کہتے ہیں
جبیں دہر کا سجدہ سلام کہتا ہے

ہر اک کو کھو دیا اور حق کو پا لیا تم نے | وفا و مہر کا جادہ بنا لیا تم نے
ضعیف قلب کا زور آزما لیا تم نے | جوان بیٹے کا لاشہ اٹھا لیا تم نے
لہو بھرا ہوا نیزہ سلام کہتا ہے

اجل کی گود سے اصغرؑ سلام کہتے ہیں | اندھیری قبر سے اکبرؑ سلام کہتے ہیں
نبی رسول پیمبر سلام کہتے ہیں! | چراغ و مسجد و منبر سلام کہتے ہیں
حسینؑ تم کو مدینہ سلام کہتا ہے

مرثیہ نمبر ۶۳

عصرِ عاشور

عباسؑ کے حصہ میں وفا حق نے عطا کی | کیا شرطِ علمداری و سقّائی ادا کی
اُسنے تو بدل خدمتِ شاہ شہدا کی | اور بیوہ عباسؑ نے بانو سے وفا کی
بانوؑ کی اطاعت میں کمر بستہ سدا تھی
سجّادؑ پہ کبرا پہ سکینہ پہ فدا تھی

غارت کو جو آئے درِ خیمہ پہ ستمگار | تب شمر پکارا کہ یہاں رہیو خبردار
اس خیمہ میں ہے بیوہ عباس علمدار | مشہور بہو میری بہن کی ہے وہ ناچار
غیرت مجھے آتی ہے اسے لٹنے نہ دونگا
بے خوف رداز زینبؑ و کلثوم کی لونگا

یہ کہکے درِ خیمہ پہ چلایا وہ بے پیر | اے بیوہ عباسؑ علیؑ صاحبِ توقیر
اب ہونگے سرنگے یہ سب عترتِ شبیرؑ | اور حضرتِ زہراؑ کی بہو ہوگی تشہیر
پر تم مری خواہر کی بہو ہو یہ ادب ہے
تشہیر جو تم ہو سرِ بازارِ غضب ہے

سُن لی یہ صدا زینبؑ بیکس نے قضارا
بیساختہ عباسؑ کی بیوہ کو پکارا
لو بھابھی بنا شمر طرفدار تمھارا
اچھا تو ہے اس وقت کرو ہم سے کنارا
وارث نہیں بیوارثوں پر دیکھئے کیا ہو
دُکھ سے جو تمھیں چین ملے ہم سے جدا ہو

بھر بھر کے دمِ سرد کہی بانو نے یہ بات
ہاں بھابھی لٹوکا ہے کو بیوارثوں کے ساتھ
برگشتہ نصیبوں سے کرو ترک ملاقات
کنبہ کی محبت میں نہ ہو مورد آفات
یہ دشمن دیں باندھیں گے اب ہاتھ ہمارے
کیا فائدہ جو قید ہو تم ساتھ ہمارے

مانو نہ بُرا تم مرے سمجھانے کو بھابھی
یوں جانے سے رشتہ نہیں چھٹ جانے کا بھابھی
پر وقت گیا ہاتھ نہیں آنے کا بھابھی
زنداں سے کوئی نہیں چھڑوانے کا بھابھی
ہوگی وہ جفا ہم پہ کہ افلاک ہلیں گے
اللہ ملائیگا تو پھر تم سے ملیں گے

کبرا و سکینہ سے تم اُلفت میں ہو افزوں
روکوں جو تمھیں کس کے سہارے پہ میں روکوں
حضرت نہیں اکبر نہیں اک عابد محزوں
سو تشنہ خون اُسکے بھی ہیں ظالم ملعوں
اس دم تو مصیبت میں تباہی میں حرم ہیں
بر وقت ملاقات وہی تم وہی ہم ہیں

مجھ میں تو نہیں ہوش اب انکو تمھیں بہلاؤ ‖ بیوا رنی کھاوج کی اسیری کا نہ غم کھاؤ
تم جاؤ تو اے بھابھی سکینہؑ کو بھی لیجاؤ ‖ لپٹاؤ کلیجہ سے انھیں گود میں بٹھلاؤ
پاس آپ کے یہ لاڈلی میری جو رہے گی
ظالم کے طمانچوں کی تو ایذا نہ سہے گی

اصغرؑ کو بھی تم اپنا ہی فرزند بتانا ‖ ممکن ہو تو ننھی سی لحد اسکی بنانا
موقع جو سفارش کا میں صدقے گئی پانا ‖ بیمار بھتیجے کو اسیری سے بچانا
جو ہو سکے سیدانیوں سے کیجیو بھابھی
زندان سے زینبؑ کو چھڑا دیجیو بھابھی

بانو کے گلے لپٹا علمدار کا دلدار ‖ بولا کہ چچی ہم تمھیں چھوڑینگے نہ زنہار
یہ جائیں جہاں چاہیں ہمیں تم سے سروکار ‖ ماں اپنی ہیں مختار ہماری نہیں مختار
ماں نے کہا خاموش میں شرماتی ہوں پیارے
کہنے دو چچی کو میں کہاں جاتی ہوں پیارے

یہ کہکے گری بانو کے قدموں پہ وہ ناشاد ‖ تھرّاتی تھی اور کہتی تھی اے مادرِ سجّاد
تقصیر ہوئی کیا جو کئے دیتی ہو آزاد ‖ ہے ہے یہ مرے حق میں کیا بی بی نے ارشاد
مجھ سی نہ کوئی اہلِ وفا ہوئیگی لونڈی
ان قدموں سے اب مر کے جدا ہوئیگی لونڈی

ہمراہ مرے فضّہ کو کر دیجئے اس دم
فضّہ کو لئے ساتھ گئی در پہ وہ پُرغم

دُہرائے یہ بی بی سے جواب اُس کا جو دیں ہم
آواز قدم سُنکے کیا شمرؑ نے سر خم

حسرت سے لیا نام جو عباسؑ علی کا
بے رحم نے پُرسا دیا عباسؑ علی کا

پر بیوۂ عباس کو وقفہ ہوا دُشوار
کیا شہ کا گلا کاٹ کے دھوئی نہیں تلوار

چلّائی جو کہنا ہو وہ کہہ جلد ستمگار
پھرتی ہے چھُری میرے کلیجہ پہ ہر اکبار

اب رُوح بدن میں مرے تھراتی ہے ظالم
حضرتؑ کے لہو کی مجھے بو آتی ہے ظالم

یہ سُنکے مخاطب ہوا وہ ظلم کا بانی
سقّائی بھی کی اور نہ میسّر ہوا پانی

افسوس علمدار حسینیؑ کی جوانی
عباسؑ نے تو خیر مری بات نہ مانی

تم بانوئے شبّیرؑ سے اب جلد جُدا ہو
نزدیک ہے بے پردگئی آلِ عبا ہو

عباسؑ کا لاشہ ہے جہاں پر لبِ دریا
اس خیمہ میں اب جائیے وقفہ نہیں اچھا

اک خیمہ وہیں آپ کی خاطر ہے مہیّا
آواز دو کس جا ہے علمدار کا بیٹا

لے آؤ اُٹھا تہ جو تمھارا ہو حرم میں
شبّیرؑ کی مسند بھی جلے گی کوئی دم میں

پیدا ہوئی ناگاہ یہ آواز علمدار | ہاں اے مری بیوہ مری بہنوں مری غمخوار
شبیرؑ کا قاتل تجھے بہکاتا ہے ہشیار | بالو سے سکینہؑ سے نہ منھ موڑیو زنہار
ہرگز نہ سمجھنا کہ علمدار نہیں ہے
ہر وقت مری روح سکینہؑ کے قریں ہے

تب شمرِ لعیں سے وہ بولی کہ اے شاہ کے قاتل | بجلی ترے خیمہ پہ گرے قہر ہو نازل
والی کو مرے قرب ہے شبیرؑ کا حاصل | جلنا مجھے یاں سہل ہے واں جانا ہے مشکل
مجھ کو ہے رنڈاپا یہیں بھرنا یہیں بہنا
کچھ ہو یہیں جلنا یہیں مرنا یہیں رہنا

یہ سُنکے لشیماں جو ہوا شمر ستمگار | لشکر کو غضب ہو کے پکارا وہ جفاکار
ہاں آگ لئے آؤ نہ وقفہ کرو زنہار | پہلے تو جلا دو یہ خیامِ شہِ ابرار
پھر لوٹ لو بیخوف و خطر خیمہ میں سب کو
بے پردہ کرو پردہ نشینانِ عرب کو

یہ سُنتے ہی لشکر درِ خیمہ میں در آیا | سیدانیوں کو لوٹ لیا خیمہ جلایا
نیزہ کی انی مار کے عابدؑ کو اٹھایا | بن باپ کی بچی کو طمانچہ بھی لگایا
زینبؑ کا یہ عالم تھا کہ بیہوش پڑی تھی
بالو کو یہ حیرت تھی کہ خاموش کھڑی تھی

چھنتی تھی اُدھر پاؤں سے زینب کے تو خلخال | جلتی تھی اِدھر سند سلطان خوش اقبال
باقر کو اُدھر کھینچتا تھا کوئی بدافعال | رُخسارِ سکینہؑ تھے طمانچوں سے ادھر لال
جھولے سے نہ اصغرؑ کے جدا ہوتی تھی بانوؑ
سینے کے تلے جھولا تھا اور روتی تھی بانوؑ

کہتی تھی نہ جھولا مرے بچے کا جلاؤ | سب گھر ہے پڑا آگ جہاں چاہو لگاؤ
کہتی تھی سکینہؑ کوئی بابا کو بلاؤ | سقائے سکینہؑ کو کوئی نہر سے لاؤ
گھر میں ہے لگی آگ بجھاتے نہیں بابا
ہے ہے مرا دم گھٹتا ہے آتے نہیں بابا

سوز

جب رات عبادت میں بسر کی شہ دیں نے | سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہ دیں نے
دیکھا جو سفیدی کو سحر کی شہ دیں نے | مڑ کر رُخِ اکبرؑ پہ نظر کی شہ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا!
اَب اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

مرثیہ نمبر ۶۴

شامِ غریباں

جب لَن میں قتل ہو چکا مظلوم کربلا — لشکر نے آ کے تب پسرِ سعدؑ سے کہا
لڑتے ہوئے صُبح سے تو یہ وقت ہو گیا — کھولیں کمر کو اپنی اگر حکم ہو ترا
دِن کٹ گیا لڑائی میں ہے وقتِ چین کا
اَب خوف کیا ہے کاٹ چکے سر حسینؑ کا

یہ سُنکے بولا فوج سے وہ نطفۂ حرام — سر کٹ گیا حسینؑ کا قصّہ ہوا تمام
لیکن ابھی یہ باقی ہے تھوڑا سا ایک کام — اب لُوٹ کر حرم کو جلا دو یہ سب خیام
کوئی ڈرو نہ بیبیوں کے شور و شین سے
کھولو کمر کو کھاؤ پیو سو رہو چین سے

سُنتے ہی اس کلام کے وہ قوم اشقیا — اَسباب لوٹنے لگے خیمہ جلا جلا
اَہلِ حرم پکارتے تھے وا محمدا — گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے بچے جدا جدا
خیمے جلا کے لوٹی بضاعت امام کی
شب باش قتل گہ میں ہوئی فوج شام کی

فضہ سے تب یہ زینبِ ناشاد نے کہا جا کر لو ابنِ سعد کو پیغام دے مرا
گزرے ہیں تین روز کہ پانی ہے نے غذا بچے ہمارے غش میں پڑے ہیں جدا جدا
اک خیمہ بھیجدے حرم غوث صفات کو
بچوں کو لیکے بیٹھ رہیں اس میں رات کو

فضہ نے اس شقی کو یہ اس دم دیا پیام اک خیمہ اس نے بھیجا حرم کو با اہتمام
زینبؑ نے بیبیوں سے یہ اس دم کیا کلام بچوں کو لیکے خیمہ میں اس دم کرو قیام
مجھ سے تو ہوگا جس طرح شب کا لو نگی میں
خیمہ کے گرد پھر کے حفاظت کرونگی میں

القصہ بیٹھیں خیمہ میں اندر بحال زار بیٹھیں مگر نہ حضرت زینبؑ جگر فگار
خیمے کے گرد پھرنے لگیں ہو کے بے قرار گزری تھی نصف شب کہ نظر آیا اک سوار
دیکھا جناب زینبؑ عالی وقار نے
خیمہ کی سمت رخ ہے کیا اس سوار نے

بڑھ کر پکاریں حضرتِ زینبؑ جگر فگار آگے قدم بڑھئے خبردار ہوشیار
سب اس جگہ ہیں عترتِ محبوبِ کردگار خیمہ کی سمت آگیا پھر بڑھ کے وہ سوار
غصہ جو آیا زینبؑ عالی مقام کو
جا کر قریب گھوڑے سے پکڑا لگام کو

فرمایا کچھ نہیں ہے تجھے خوف کبریا رُوحِ رسولؐ سے بھی نہیں تجھکو کچھ حیا
اب کیا ہمارے پاس ہے جو کچھ تھا لُٹ چکا آکر صُبح کو لُوٹنا گر ہے یہی رضا
بچّوں کو ہول آئے گا یہ شب مُہیب ہے
ہم بھی یہیں ہیں اور سحر بھی قریب ہے

اُس وقت اُس سوار نے زینبؑ سے یہ کہا خیمہ میں جا کے بیٹھ تو اے غم کی مُبتلا
میں آ کے پاسبان بنوں تیرے خیمے کا زینبؑ نے پوچھا رحم کا تیرے سبب ہے کیا
یہ تو کھُلا مُحبِّ رسولِ انام ہے
بتلا مگر شتاب کہ کیا تیرا نام ہے

اے شخص واسطہ تجھے پروردگار کا اے شخص واسطہ تجھے دُلدل سوار کا
اے شخص واسطہ ہے رسولِ کبار کا ہے واسطہ حسینؑ غریب الدیار کا
آرام و چین اَب نہیں مجھ دِل کباب کو
دکھلا دے شکل مجھ کو اُلٹ کر نقاب کو

سُنکر سوار ہو گیا تصویرِ بے قرار اور پھینکدی نقاب اُلٹ کر بس ایکبار
کیا دیکھتی ہیں حضرت زینبؑ جگر فگار گھوڑے کی پُشت پر ہیں علیؑ ولی سوار
یہ دیکھکر نہ ضبط ہوا دِل کباب کو
کرنے لگی یہ بین اُلٹ کر نقاب کو

جس دم مٹی شبیہ پیمبر کہاں تھے آپ
جس دم چھدی تھی گردن اصغر کہاں تھے آپ
جسدم ہوا تھا قاسمِ مضطر کہاں تھے آپ
جسدم مٹی نشانی جعفر کہاں تھے آپ
پھرتا رہا حسین یہ خنجر خبر نہ لی
اک دوپہر میں لٹ گیا سب گھر خبر نہ لی

ابن بتولؑ ہو گیا بے سر خبر نہ لی
پامال ہو گیا تن اطہر خبر نہ لی
چھینے گئے سکینہؑ کے گوہر خبر نہ لی
سر سے اتر گئی میرے چادر خبر نہ لی
سینہ پر جب حسینؑ کے قاتل سوار تھا
اس وقت کس جگہ پہ شہ ذوالفقار تھا

مرثیہ نمبر ۶۵

شامِ غریباں

جب رنمیں بوستان پیمبر ہوا تباہ نقدِ حیات نائب حیدر ہوا تباہ
سیدانیاں تباہ ہوئیں گھر ہوا تباہ سردار قتل ہو گیا لشکر ہوا تباہ
مجبوس فوج میں حرم محترم ہوئے
شب باش قتل گاہ میں اہل ستم ہوئے

اک خیمہ تب علیحدہ رن میں ہوا بپا اسمیں ہوئے مقیم اسیران کربلا
اس شب کا راویوں نے یہ لکھا ہے ماجرا بے آب و بے طعام تھے سب آل مصطفیٰ
آسائش طعام تھی ہر بد خصال کو
اور فاقہ تیسرا تھا محمدؐ کی آل کو

یہ رسم ہے عرب کی ہیں آگاہ جس سے سب قوم عرب میں مرتبہ ہے جن کا عزیز جب
کھانا اسے کھلاتے ہیں سمجھا کے سب عرب اور حاضری بھی بھیجتے ہیں گھر میں وقت شب
بھوکا ہے تین روز سے کنبہ بتولؑ کا
فاقہ نہ ٹوٹا آج بھی آل رسولؐ کا

سَردار پھر گئے پسرِ سعد سے تمام اور آ کے ابن سعد سے کرنے لگے کلام
جی چاہتا ہے اب مٹا دیں ترا بھی نام ناحق تری صلاح سے کاٹا امامؑ
تجھ سے شقی کا ساتھ دیا آہ کیا کیا
سیّد کا ہم نے خون کیا آہ کیا کیا

یہ ذکر تھا جو ایک خبردار بول اُٹھا ہاں سچ تو ہے اسیروں پہ اب رحم کی ہے جا
اسدم میں اُن کے خیمہ کے نزدیک جو گیا ننھی سی ایک لڑکی نے کھانا طلب کیا
مادر نے رو دیا تو وہ بے آس ہو گئی
آخر وہ کھانے کے لئے رو رو کے سو گئی

بولا یہ ابن سعد کہ لیجاؤ تم شتاب چالیس خوان کھانے کے اور سرد جام آب
تب ایک ایک نے یہ عمر کو دیا جواب کس مُنھ سے آگے جائیں ہے ان سے ہمیں حجاب
پیاروں کو ان کے سامنے نیزے لگائیں ہم
اور حاضری بھی اُن کے لئے لیکے جائیں ہم

بولا عمر یہ شمر سے تو جا بہ انکسار عباسؑ کا تو آپ کو کہتا ہے رشتہ دار
اُس نے کہا میں سب سے زیادہ ہوں شرمسار زینبؑ کے آگے سینۂ شہؑ پر ہوا سوار
میں نے کیا شہید شہ مشرقین کو
میں نے طمانچہ مارا یتیم حسینؑ کو

انکار جبکہ جانے میں اک ایک نے کیا پھر تو عمرؓ نے زوجۂ حُرؑ کو طلب کیا
بولا کہ کھانا لیکے تو اہل حرم میں جا کر نامری طرف سے بہت عذر و التجا

شوہر ترا ہے فدیۂ شہ مشرقین کا
دینا تو شہر بانو کو پرسا حسینؑ کا

جانے پہ مستعد ہوئی جسدم وہ باوفا ہمراہ اُس کے خواہر ہاشم کو بھی کیا
ہاشم بھی ایک فدیۂ آل رسولؐ تھا ساتھ اُس کے عورتیں تھیں بہتّر پیادہ پا

خوانوں کے گرد و پیش پیادے تمام تھے
مشعل کی روشنی میں وہ خوان طعام تھے

تھی آگے آگے زوجۂ حُرؑ شہ کی دوستدار پر خیمۂ حرم کے جو در تک ہوا گذار
کچھ روشنی بھی خیمہ میں پائی نہ زینہار دیکھا کہ ایک بی بی ہے ڈیوڑھی پہ بیقرار

یہ بات کہکے ہوتی ہے مشغول آہ میں
اصغرؑ ہے قتل گاہ میں میں خیمہ گاہ میں

مشعل کی روشنی میں جو زینبؑ کی نگاہ بولی کہ لو پھر آئی ہمیں لوٹنے سپاہ
پھر اس طرح پکاری ہوا ہم سے کیا گناہ لوگو ڈرو خدا کے غضب سے یہ کیا ہے آہ!

کوئی بھی پوچھتا نہیں اس واردات کو
لوٹے ہوؤں کو لوٹنے آئے ہو رات کو!

گر اور کچھ گماں ہو تو کر لو ہمیں شمار بھاگا نہیں ہے کوئی تمھارا گناہگار
موجود ایک جا ہیں تمھارے قصوروار بہتر ہے ہم سبھوں کو کرو قتل ایکبار
کل ہم کو لوٹا لیجیو اب کیا ضرور ہے
نے قیدی بھاگے جاتے ہیں نہ صبح دور ہے

یہ بات سن کے زوجۂ حُر روئی خوب سا پردہ اُٹھا کے خیمہ میں آئی وہ باوفا
ہمراہ ساری عورتیں کرتی ہوئیں بُکا خوان طعام رکھدیئے خیمہ میں جابجا
سب عورتوں کی شکل تھی پنہاں نقاب سے
زینب نے سر جھکا لیا اپنا حجاب سے

زینبؑ پھر اپنے دل کو یہ دینے لگی خبر ان خوانوں میں یقین ہے شہیدوں کے ہوں گے سر
ناگاہ بولی زوجۂ حُر پاس آن کر لونڈی سلام کرتی ہے بی بی کرو نظر
میں عاشق حسینؑ کنیز بتولؑ ہوں
میں زوجۂ ہر اول سبط رسولؐ ہوں

آیا زبان زوجۂ حُرؑ پر جو یہ کلام تعظیم کو کھڑی ہوئیں وہ خواہر امام
بولی تو حُرؑ کی زوجہ ہے اے بی بی نیکنام حق سمجھے حُرؑ کو واہ عجب کر گیا ہے کام
پہلے خبر نہ تو نے کی زہراؑ کی جائی کو
سر ننگے آتی در پہ تری پیشوائی کو

یہ کہہ کے اس کو اپنے برابر بٹھا لیا　　پلّہ نہ تھا بوڑھا نپ کے مُنہ روتی خوب سا
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے لگی رونے اور کہا　　پُرسا میں حُرؑ کا دیتی ہوں تم ساتھ ہے مرا

وہ رو کے بولی نام نہ لو اُس غلام کا
میں تم کو دینے آئی ہوں پُرسا امام کا

زینبؑ نے رو کے زوجۂ حُرؑ سے یہ پھر کہا　　بالے تمھارے آنے کا ہاں کیا سبب ہوا
کی عرض اُس نے لونڈی کی قسمت ہوئی رسا　　بھیجے ہیں ابن سعد نے یہ خوان پُر غذا

کہنے سے اُس کے کھانے کے ہمراہ آئی ہوں
یہ حاضری حسینؑ کی ہمراہ لائی ہوں!

سُنتے ہی نام حاضریٔ شاہ بے کفن　　زینبؑ کا سینہ ہل گیا تھرّا گیا بدن
بولی کہ ہائے اے مرے ماں جائے بیوطن　　اس حاضری کے کھانے کو جیتی رہی بہن

دُنیا میں یادگار رہوا سانحہ مرا
تم نے نہ ہاتھ اُٹھا کے دیا فاتحہ مرا

یہ بین کر کے زوجۂ حُرؑ سے کیا خطاب　　کھانا تو لیکے آئی تجھے بھی ہوا ثواب
اَب دل کو مطلقاً نہیں ذوقِ طعام و آب　　کھایا ہے غم عزیزوں کے مرنے کا بے حساب

ہم سب حسینؑ پیاسے کے ماتم میں روتے ہیں
کس کو کھلائیں بچّے تو اس وقت سوتے ہیں

اِنصاف کر تو پانی پیوں کیا میں خستہ جاں پیش نظر ہے بھائی کی سوکھی ہوئی زباں
پیاسا مُوا حسینؑ کا فرزند نوجواں کیا ایڑیاں رگڑتا تھا اصغر بھی الاماں
جب تک قضا نہ آئیگی مجھ بے حواس کو
روؤں گی پیاسے بھائی کو اور اُسکی پیاس کو

وہ بولی کوئی عُذر زباں پر نہ لائیے فاقہ کو توڑنے کے لئے کچھ تو کھائیے
ان بھوکے پیاسے بچوں کو بھی اب جگائیے اِک اِک نوالہ بی بیوں کو بھی کھلائیے
اَب فاقہ توڑو رُوح پیمبرؐ کے واسطے
پانی بھی پی لو ساقیٔ کوثر کے واسطے

زینبؑ کو تھا جو زوجۂ حُرؑ کا کمال پاس سجّاد کو پکاری ذرا آؤ میرے پاس
ہنگام ذبح کہتے تھے بھائی بحال یاس پانی ملے تو بھول نہ جانا ہماری پیاس
دو فاتحہ حسینؑ کا پانی کے جام پر
صدقے میں اُنکی پیاس پہ اور اُن کے نام پر

مرثیہ نمبر ۶۶

واقعاتِ شامِ غریباں

جب ہو گیا تباہ سفینہ نجات کا
تھا کشتیٔ فلک کو نہ یارا ثبات کا
اور ناخدا بھی غرق ہوا کائنات کا
بے آب خشک ہو گیا چشمہ فرات کا
کوثر کے قطرے قطرے سے شور و فغاں ہوا
دریا کی موج موج سے طوفاں عیاں ہوا

کرتے ہے راویانِ جگر سوز یہ کلام
اس لوٹ میں وہ چار گھڑی دن ہوا تمام
لشکر سے ابن سعد یہ بولا بوقتِ شام
منظور ہے ہمیں کہ یہیں آج ہو قیام
اک خیمہ ایستادہ حضور نگاہ ہو
شب باش اس میں آلِ رسالت پناہ ہو

تب خیمہ اک علیحدہ زمیں پر ہوا بپا
اس میں ہوئے مقیم اسیرانِ کربلا
تقسیمِ اہلِ شام میں ہونے لگی غذا
ہر قسم کے طعام مہیا تھے جا بجا
آسائشیں تمام تھیں ہر بدخصال کو
اور فاقہ تیسرا تھا محمدؐ کی آل کو

سردار پھر گئے عمر سعد سے تمام | اور آ کے ابن سعد سے کرنے لگے کلام
جی چاہتا ہے اب کہ مٹا دیں ترا بھی نام | ناحق تری صلاح سے کاٹا سر امام
تجھ سے شقی کا ساتھ دیا آہ کیا کیا
سید کا ہم نے خون کیا آہ کیا کیا

یہ رسم ہے عرب میں ہیں آگاہ اس سبب سے | قوم عرب میں مرتا ہے جس کا عزیز جب
کھانا اسے کھلاتے ہیں سمجھ کے سب عرب سے | اور حاضری بھی بھیجتے ہیں اسکے گھر میں سب
بھوکا ہے تین روز سے کنبہ بتول کا
فاقہ نہ ٹوٹا آج بھی آل رسولؐ کا

یہ ذکر تھا کہ ایک خبردار بول اٹھا | ہاں سچ تو ہے اسیر ہیں اب رحم کی ہے جا
اسدم میں اُن کے خیمہ کے نزدیک تھا کھڑا | ننھی سی ایک لڑکی نے کھانا طلب کیا
یہ سنکے ماں جو روئی وہ بے آس ہو گئی
کھانے کے واسطے ابھی رو رو کے سو گئی

بولا یہ ابن سعد کہ لیجاؤ تم شتاب | چالیس خوان کھانے کے اور سرد جام آب
تب ایک ایک نے یہ عمر کو دیا جواب | کس منھ سے آگے جائیں ہمیں ان سے ہے حجاب
پیاروں کو اُن کے سامنے نیزے لگائیں ہم
اور حاضری بھی ان کے لئے لیکے جائیں ہم

بولا عمر یہ سن کے لعین سے تو جا بہ انکسار
عباسؑ کو تو خود ہی تو کہتا ہے رشتہ دار
اس نے کہا میں سب سے زیادہ ہوں شہ کا مسار
زینبؑ کے آگے سینۂ شہ پہ ہوا سوار
میں نے کیا شہید شہ مشرقین کو
میں نے طمانچے مارے یتیم حسینؑ کو

انکار جبکہ جانے میں اک ایک سے سنا
اُس دم عمر نے زوجۂ حُرؑ کو طلب کیا
بولا یہ کھانا لیکے تو اہلِ حرم میں جا
کرنا مری طرف سے بہت عذر واابتجا
شوہر ترا ہے فدیۂ شہ مشرقین کا
دنیا تو شہر بانوؑ کو پُرسا حسینؑ کا

جانے پہ مستعد ہوئی جس دم وہ باوفا
ہمراہ اُسکے خواہر ہاشم کو بھی کیا
ہاشم بھی ایک فدیۂ سبط رسولؐ تھا
ساتھ اُسکے عورتیں تھیں بہتر پیادہ پا
خوانوں کے گرد و پیش وہ پیادہ تمام تھے
مشعل کی روشنی میں وہ خوان طعام تھے

تھی آگے آگے زوجۂ حُرؑ ہشت کی دوستدار
پر خیمۂ حرم کے جو در پہ ہوا گذر
کچھ روشنی بھی خیمہ میں پائی نہ زینہار
دیکھا کہ ایک بی بی بہت ہی ہے سوگوار
یہ بات کہکے ہوتی ہے مشغول آہ میں
اصغرؑ ہیں قتل گاہ میں ہیں خیمہ گاہ میں

مشعل کی روشنی پہ جو زینب نے کی نگاہ | بولی یہ پھپھی سے لوٹنے آئی ہیں سپاہ
پھر اس طرح پکارہی تھیں کیا ہوا ہے آہ | لوگو ڈرو خدا سے ہوا ہم سے کیا گناہ
کوئی بھی پوچھتا نہیں اس واردات کو
سوئے ہوؤں کو لوٹنے آئے ہو رات کو

بچے ہمارے مانگ رہے تھے ابھی غذا | بہلا کے ان سبھوں کو دیا ہے ابھی سلا
ضامن خدا ہے ہم نہیں کر سکے کچھ دغا | ہے فوج میں تمھارے سر شاہ کربلا
اس سے منھ چھپا کے کس سے منھ دکھائینگے
قرآن بیچ میں ہے نہ ہم بھاگ جائینگے

یہ بات سن کے زوجۂ حُر روئی خوب سا | پردہ اُٹھا کے خیمہ میں آئی وہ باوفا
ہمراہ ساری عورتیں کرتی ہوئی بکا | خوان طعام رکھدیئے خیمہ میں جابجا
سب عورتوں کی شکل تھی پنہاں نقاب سے
زینبؑ نے سر جھکا لیا اپنا حجاب سے

زینبؑ پھر اپنے دل کو لگی دینے یہ خبر | ان خوانوں میں یقیں ہے شہیدوں کے ہونگے سر
ناگاہ بولی زوجۂ حُر پاس آن کر | لونڈی سلام کرتی ہے بی بی کرو نظر
میں عاشق حسینؑ کنیز بتولؑ ہوں!
میں زوجۂ ہر اول سبط رسولؐ ہوں

آیا زباں زوجۂ حُرؑ پر جو حُرؑ کا نام | تعظیم کو کھڑی ہوئی وہ خواہرِ امام
بولیں تو حُرؑ کی زوجہ ہے اے بی بی نیک نام | حق بخشے حُرؑ کو واہ عجب کر گیا ہے کام
پہلے خبر نہ تو نے کی زہرا کی جائی کو
سر سنگے آتی در پہ تری پیشوائی کو

یہ بین کر کے اُس کو برابر بٹھا لیا | پلّا نہ تھا جو ڈھانک کے منھ روتی خوب سا
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے لگی کرنے یہ بکا | پُرسا میں حُرؑ کا دیتی ہوں تم ساتھ دے مرا
وہ رو کے بولی نام نہ لو اُس غلام کا
میں تم کو دینے آئی ہوں پُرسا امام کا

یہ بین سُنکے زوجۂ حُرؑ سے یہ پھر کہا | بولو تمھارے آنے کا یاں کیا سبب ہوا
کی عرض اُس نے لونڈی کی قسمت ہوئی رسا | بھیجے ہیں ابن سعد نے یہ خوان پُر غذا
کہنے سے اُس کے کھانے کے ہمراہ آئی ہوں
میں حاضری حسینؑ کے مرنے کی لائی ہوں

سُنتے ہی نام حاضریٔ شاہِ بے کفن | زینب کا قلب ہل گیا تھرّا گیا بدن
بولی کہ ہائے مر رے ما بخائے یوطن | اس حاضری کے کھانے کو جیتی رہی بہن
دُنیا میں یادگار رہا سانحہ ترا!
ہم نے نہ ہاتھ اُٹھا کے دیا فاتحہ ترا

وہ بوٹی کوئی غُدہ زباں پر نہ لائیے فاقہ کے توڑنے کیلئے کچھ تو کھائیے
اِن بھوکے پیاسے بچّوں کو اَب تو جگائیے اِک اِک نوالہ آلِ نبیؐ کو کھلائیے
اَب فاقہ توڑو روحِ پیمبرؐ کے واسطے
پانی بھی پی لو ساقیٔ کوثرؑ کے واسطے

القصّہ عترتؑ کا فاقہ پانی پہ جب ہوا زینبؑ نے کی وہ آہ کہ محشر بپا ہوا
شانہ ہلا ہلا کے سکینہؑ کا یہ کہا پانی پیو اُٹھو یہ پھوپھی تم پہ ہو فدا
جاگو! ابھی تو واسطے پانی کے روتی تھیں
کل تک تمہارے اپنے بابا کی چھاتی پہ سوتی تھیں

سوز

مشکل کشا کی آل پہ وہ وقت بیکسی مرجائے جانِ فاطمہؑ پُرسانہ دے کوئی
اک غم نصیب عمر تھی یہ ایک شب نہ تھی اِس دَرد کی کسک دلِ فطرت میں رہ گئی
وہ سوز وہ گداز نمایاں ہے آج تک
اس دن کی شام شامِ غریباں ہے آج تک

مرثیہ نمبر ۶۷

شامِ غریباں

کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں | فاقہ کش تشنہ دہن کشتۂ غم لٹتے ہیں
دشتِ غم میں گرفتارِ ستم لٹتے ہیں | شور برپا ہے یہ رانڈوں میں کہ ہم لٹتے ہیں
قتل و غارت ہوئے سامان گرفتاری ہے
یا علی آؤ کہ اب وقت مددگاری ہے

ہے یہ فریاد کسی کی کہ برادر دوڑو | کوئی چلاتی ہے عباسؑ دلاور دوڑو
کوئی کہتی ہے تڑپ کر مرے دلبر دوڑو | ماں لٹی جاتی ہے دوڑو علی اکبرؑ دوڑو
دیکھو خونخوار عدو برچھیاں دکھلاتے ہیں
تیغ کھینچو کہ لعیں گھر میں چلے آتے ہیں

اس کی جانب سے تم ایسے ہوئے غافل مرے لال | کہ نہ لٹنے کی خبر ہے نہ اسیری کا خیال
کب سے چلاتی ہے مادر تمہیں کھولے ہوئے بال | رن سے آتے نہیں واری مجھے صدمہ ہے کمال
اس مصیبت میں نہ آؤ گے تو کب آؤ گے
سر سے چادر مرے چھن جائیگی جب آؤ گے

دھیان پردے کا بہت تھا تمہیں اس دکھیا کے
بولنے دیتے تھے گھر میں کبھی چلّا کے
آج اس ماں کا ذرا حال تو دیکھو آ کے
سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے سموں میں اعدا کے
تم تو سوتے ہو خبر ہو تمھیں کیونکر بیٹا
ہو زمیں شق تو سما جائے یہ مادر بیٹا

مادر ابن حسنؑ کہتی تھی یہ پیٹ کے سر
میرے قاسمؑ تجھے ڈھونڈھوں میں اس میں آفت
اپنے لٹنے کا تو کچھ غم نہیں اے رشکِ قمر
دیکھکر حال دلہن کا مرا پھٹتا ہے جگر
بھیڑ نامحرموں کی دیکھ کے جی کھوتی ہے
آستیں کو تری آنکھوں پہ دھرے روتی ہے

پیٹ کر زوجۂ عباسؑ یہ کرتی تھی بیاں
تم بھی اس وقت میں حاضر ہوئے نظروں سے نہاں
رنمیں کیا کرتے ہو اے حیدر صفدر کے نشاں
یاں لٹی جاتی ہے سرکار امام دو جہاں
ہاتھ سے ہاتھ یتیموں کے چھٹے جاتے ہیں
بھیڑ میں دم مرے بچوں کے گھٹے جاتے ہیں

کہتی تھی بالی سکینہ یہ بآواز حزیں
دیکھو عباسؑ چچا ہم کو ڈراتے ہیں لعیں
شمر بے رحم گھڑکتا ہے لئے خنجر کیں
کیا قیامت ہے کہ تم بھی نہیں بابا بھی نہیں
کیوں نہ ہو غم سے کلیجہ مرا ٹکڑا ٹکڑا
کوئی اس دکھ میں نہیں پوچھنے والا میرا

کر کے منھ مقتل سرور کی طرف زینب زار | شہ سے فریاد یہ کرتی تھی بچشم خونبار
بھائی صاحب کدھر اب جاؤ ہے بہن سینہ فگار | ظلم سے ہاتھ اٹھاتی نہیں فوج کفار
ہائے منھ اشکوں سے دھونا نہیں ملتا مجھکو
آپ کے سوگ میں رونا نہیں ملتا مجھکو

میں نے جانا تھا کہ جب جائینگے اعدا سوئے شام | تا بہ چہلم اسی جنگل میں کرونگی میں قیام
رہنے دونگی میں اسیطرح سے برپا یہ خیام | یاں محبان علی آئیں گے پرسہ کو تمام
دن کو دم لونگی نہ راتوں کو ذرا سوؤنگی
دوش پر شال عزا ڈالے ہوئے روؤں گی

کیا خبر تھی مجھے اس ظلم کی یا شاہ امم | خانۂ فاطمہ تاراج کریں گے اظلم
گھر میں در آنہ چلے آئینگے یوں نامحرم | قید ہو جائیگی بعد آپ کے یہ کشتۂ غم
دختر حضرت زہرا پہ تباہی آئی
آپ کے مرنے سے بھینا پہ تباہی آئی

اہل عصمت میں تو یہ شور ہے اور آہ و بکا | اس طرف لوٹ میں مصروف تھی فوج اعدا
دکھ زدہ انڈون پہ بدعت ہے یتیمون پہ جفا | پیٹتی پھرتی ہے ناموس امام دوسرا
بھیڑ میں جا کہیں چھپنے کی نہیں ملتی ہے
وا حسینا کا یہ غل ہے کہ نہیں ہلتی ہے

ننھے بچوں کا یہ عالم ہے کہ تھرّاتے ہیں
ننگی تلواریں جو ظالم انھیں دکھلاتے ہیں
گود میں ماؤں کے دہشت سے چھپے جاتے ہیں
بس تو چلتا نہیں اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں
نہ تو کر سکتے ہیں فریاد نہ رو سکتے ہیں
چپکے سہمے ہوئے اک ایک کا منھ تکتے ہیں

فوج اعدا سے بھرا ہے شہ مظلوم کا گھر
ہتھیلیاں لیتا ہے اصغر کی کوئی بانیٔ شر
کھینچتا ہے کوئی کانوں سے سکینہ کے گہر
لوٹتا ہے کوئی بے رحم حرم کا زیور
بندے لیتا ہے رقیہ کے ستمگر کوئی
چھینتا ہے سر کلثومؑ کی چادر کوئی!

مرکے فضہ سے یہ کہتا ہے کوئی بد افعال
جلد بتلا کہ کہاں ہے شہ دیں کا زر و مال
کہتی تھی وہ کہ لعینو تمہیں سب خام خیال
رہی محتاج سدا احمد مختارؐ کی آل
بخدا کچھ بھی نہیں ہے شہ دیں کے گھر میں
مال دنیا کہیں رہتا ہے سخی کے گھر میں

اک طرف بانوئے مغموم پہ یہ ہے بیداد
کھینچتا ہے سر پُرنور سے چادر جلاّد
کوئی سنتا نہیں زینبؑ کی بہو کی فریاد
ماں سے لپٹی ہوئی روتی ہے سکینہ ناشاد
بیوہ حضرت عباسؑ کھڑی روتی ہے
ایک تو لٹتی ہے اوپر سے کھڑی روتی ہے

شمر لینے لگا جب دختر زہراؑ کی ردا | تھام کر گوشۂ چادر کو یہ زینبؑ نے کہا
اے شمر مجھے بے پردہ نہ کر بہرِ خدا | کچھ بھی اس کہنہ ردا میں نہیں یہ ندسوا

دکھ زدی ہوں نہیں سنانا مجھے کیا لازم ہے
تجھ کو احمدؐ کی نواسی سے حیا لازم ہے

ہو نہ میں بے وارث و والی کر اس کا تو خیال | غضب اللہ کا آ جائے جو کھولوں ابھی بال
دوں دہائی تو یداللہ کو آ جائے جلال | پر کروں کیا کہ نہیں حکم شہ نیک خصال

کہہ گئے ہیں کہ گلہ لب پہ نہ لانا زینبؑ
سر بھی کھل جائے تو غصہ میں نہ آنا زینبؑ

کتنا کہتی رہی رو رو کے یہ بیکس زینبؑ | واہ رے لغا نہ کیا شمر نے کچھ پاس ادب
چھین لی دختر زہراؑ کی ردا ہائے غضب | ہو گئی غرق عرق بنت شہنشاہِ عرب

واحسینا کی صدا عرش سے جب آنے لگی
لاش زہراؑ کے جگر بند کی تھرانے لگی

لوٹ چکیں انڈونکی جس وقت ردائیں بھی تمام | غل ہوا پھونکدو اب بارگہ شاہ انام
بخدا ہے یہ دھواں دل سے نکلنے کا مقام | آتشِ ظلم سے جلنے لگے حضرت کے خیام

شہ کے ناموس سراسیمہ کھلے سر نکلے
بچوں کو لیکے حرم خیمہ سے باہر نکلے

واں گریں خاک پہ جل جل کے تڑپتیں اکبار | لُٹ گیا خانۂ فرزند رسول مختار
کھینچکر حضرت سجادؑ کو لائے خونخوار | ہو گیا طوق و سلاسل میں مسلسل بیمار
حرمِ شاہ میں زاری ہوئی فریاد ہوئی
انیس اب کیا کہوں رانڈوں پہ جو بیداد ہوئی

سوز

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں | پیدا ہوئی جن کیلئے دنیا وہ کہاں ہیں
جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں | تھے ہم سے بہت افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

ہے کل کی ہی یہ بات کہ آباد تھا یہ گھر | جس گھر پہ فدا آن کے ہوتے تھے تو نگر
وہ جاہ و حشم فاطمہؑ وہ شوکتِ حیدرؑ | وہ مجمع احباب وہ دربار پیمبر
بے ازن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
پر آج وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں

مرثیہ نمبر ۶۸

شامِ غریباںؑ

آج مقتل میں عجب بے سر و ساماں ہیں حرم | دل ہے مجروح کھلے سر ہیں پریشاں ہیں حرم
قتلِ شبیرؑ سے بیتاب ہیں گریاں ہیں حرم | وارثوں میں نہیں اب کوئی تو حیراں ہیں حرم

ذکرِ مظلومیٔ شاہِ مدنی کرتے ہیں
کبھی آہیں تو کبھی سینہ زنی کرتے ہیں

رو کے فرماتی ہیں یہ خواہرِ سلطانِ انام | اٹھو سجادؑ کہ اب دن ہوا جاتا ہے تمام
جھٹ پٹا وقت ہے کچھ دیر میں ہو نیکو شام | اب نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ نہ امام

دلِ پژمردہ پہ اک غم کی گھٹا چھائی ہے
رات ہونے کو ہے اور عالمِ تنہائی ہے

کان میں پہونچی جو سجادؑ کے زینبؑ کی صدا | کھول کر آنکھ یہ کی عرض بصد آہ و بکا
کیا کہوں آپ سے قابو میں نہیں دل میرا | تپِ زیادہ ہے تو غفلت بھی ہے کچھ آج سوا

کون مارا گیا اور کون جدا ہوتا ہے
مجھکو معلوم نہیں ہے کہ یہ کیا ہوتا ہے

پھر یہ کی عرض کہ اے خواہر سلطان ہدا | لائیے شے نے بنائی تھی جو فرد شہدا
دیکھ لوں یہ تو مرے دل کو تسلی ہو ذرا | نام تحریر ہے اس فرد میں کس کا کس کا

جو گئے خلد میں اب خواب ہے صورت انکی
جو مرے ساتھ ہیں لازم ہے حفاظت انکی

سنکے یہ کہنے لگی زینب تفتیدہ جگر | لیگئے لوٹ کے اسباب تو سب بانی شر!
اسی اسباب میں وہ فرد بھی تھی اے دلبر | سنکے کہنے لگے سجاد یہ بادیدۂ تر

قتل جو ہو گئے نام ان کے رقم کر لونگا
فکر کچھ اور میں پابند الم کر لوں گا!

کہکے یہ لکھنے لگے خاک پہ نام شہدا | یاد آئے جو وہ سب کرنے لگے آہ و بکا
دل پہ اک تیر لگا نام جو اصغر کا لکھا | غم جانکاہ سے تھرا گئے سارے اعضا

یاد کرتے تھے انھیں جب تو جگر ہلتا تھا
تین بچوں کا کہیں پر نہ پتہ ملتا تھا

روکے کرنے لگیں سجاد سے زینب یہ کلام | جائے افسوس ہے دن کوئی گھڑی ہیں ہے تمام
ڈھونڈھنے بچوں کو جاتی ہوں کہ ہو جائے شام | دو اجازت مجھے بیٹا کہ تمھیں اب ہو امام

راستہ بھول گئے ہیں نہ ادھر آئیں گے
دشت میں جاکے پکاؤنگی تو مل جائینگے

کہکے عابد سے چلیں خواہر سلطان ھدا | آذر اساتھ سے مڑ کے یہ فضہ سے کہا
وہ بھی ہمراہ ہوئی کرتی ہوئی آہ و بکا | پاؤں کھستی تھیں کہیں اور کہیں پڑتا تھا
جا بجا دشت میں لاشے جو نظر آتے تھے
دل دھڑکتا تھا قدم ضعف سے تھرّاتے تھے

آہ تھی لب پہ رواں اشک تھے اور دل تھا فگار | اک طرف کو یہ چلی جاتی تھی باحالِ زار
ناگہاں دور سے دکھلائی دیا ایک سوار | بولیں فضہ سے یہ زینبؑ کہ ذرا بڑھکے پکار
منتیں اس کی کریں گے تو ترس کھائیگا
اس سے بچوں کا پتہ دشت میں مل جائے گا

حکم پایا تھا کہ فضہ نے یہ دی بڑھکے صدا | اے سوار اس طرف آ اس طرف آ بہر خدا
کوئی تکلیف نہ دینگے تجھے ہم اس کے سوا | ہم غریبوں کی ہے اک عرض اسے سنتا جا
دل ہے مجبور بہت روکی ہے جو بھائی کو
تجھ سے کچھ پوچھنا ہے فاطمہؑ کی جائی کو

متوجہ ہوا وہ سنتے ہی فضہ کی صدا | پاس آکر کہا کیا پوچھتی ہے اے کھیا
بولی یہ خواہر شبیرؑ کہ اے مرد خدا | کسی بچہ کو تو دیکھا نہیں آیا مجھسے بتا
تشنہ لب ہیں وطن آوارہ ہیں دکھیائے ہیں
ساتھ سے چھوٹ کے جنگل میں چلے آئے ہیں

عرض کی اُس نے جگر تھام کے بادیدۂ تر
دیکھا اِک لاشۂ پُرخوں ہے زمیں پر بے سر
ابھی صحرا میں جو اِک سمت پڑی میری نظر
لڑکی اِک چھوٹی سی بیٹھی ہوئی روتی ہے اُدھر
رونے لگتا ہے اُدھر جس کا گزر ہوتا ہے
اُس کے نالوں سے عجب دل پہ اثر ہوتا ہے

رو کے فرمانے لگیں زینبِ مجروح جگر
بخشش مل گیا احسان ہوا تیرا مجھ پر
مہربانی کا صلہ دے تجھے ربّ اکبر
کہہ کے اُس سمت چلیں گر یہ کناں خاک بسر
اشک خوں بہتے تھے قابو میں دل زار نہ تھا
ایک فضّہ کے سوا دوسرا غمخوار نہ تھا

پہونچیں القصّہ وہاں پایا تھا جس جا کا پتہ
دیکھا اُس جا پہ ہے اک نور سے معمور گڑھا
لاش اک اُس میں پڑی ہے کہ نہیں سر جس کا
اور سکینہ وہیں بیٹھی ہوئی کرتی ہے بکا
غش جو ہوتی ہے مزہ موت کا مل جاتا ہے
چونک پڑتی ہے تو دل سینہ میں ہل جاتا ہے

آئیں نزدیک غرض زینبِ تفتیدہ جگر
بوسی لیٹا کے کلیجہ سے میں قربان تجھ پر
بیٹھ کر لے لیا آغوش میں بادیدۂ تر
تو نے پہچان لیا باپ کا لاشہ کیونکر
ہجر سے مادر ناشاد موئی جاتی ہے
بی بی اب گھر میں چلو رات ہوئی جاتی ہے

عرض کی اُس نے پھوپھی سے یہ بصد آہ و بکا | فُرقتِ شہ سے تڑپنے جو لگا دل میرا
آ کے اِک سمت میں چلّائی کہ بابا بابا | دی پھوپھی مجکو اُسی لاشۂ بے سر نے صدا

آئی ہوں سینۂ شبّیر پہ سونے کے لئے
کہا زینبؑ نے کہ بس گھر چلو رونے کے لئے

یہ تو بہلاتی تھیں اور رو کے وہ دیتی تھی جواب | آتشِ غم سے وہ ننّھا سا کلیجہ تھا کباب
گود میں مچلی ہوا دِل جو زیادہ بیتاب | پیار کر کے اُسے زینبؑ نے بچشمِ پُرآب

لیں بلائیں کبھی گہہ آنکھوں سے آنسو پونچھے
خون سر سے بہہ رہے تھے جو وہ گیسو پونچھے

دونوں بچوں کو چلیں ڈھونڈھنے پھر وہ مضطر | ناگہاں جا پڑی اک سمت بیاباں میں نظر
دیکھتی کیا ہیں کہ وہ باغِ نبیؐ کے گُل تر | باہیں گردن میں ہیں اور سو رہے ہیں زیرِ شجر

گرد اس طرح ہے ان چاند سے رُخساروں پر
ابر باریک ہو جس طرح سے سیّاروں پر

آئیں نزدیک جو روتی لو یہ نقشہ دیکھا | ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں پیاس کی ہے حد سوا
مٹی سر کی کے وہ بیٹھے ہیں وہاں ماہِ لقا | جس جگہ پا کے تری کچھ ہو یہ کلیجہ ٹھنڈا

باپ کا سینہ نہیں ماں کی بھی آغوش نہیں
ایسے غافل ہیں کہ تن کا بھی کچھ ہوش نہیں

نیند سے جب ہوئے ہوشیار نہ وہ رشکِ قمر جھک کے پھر غور سے کی چہرۂ زینبؑ نے نظر
دم نہ پایا تو یہ فرمانے لگیں بیمار کے سر ہائے ان دونوں کا بھی ہو گیا دنیا سے سفر
دشتِ غربت میں کیا ہم سے کنارا بچوّ!
ہائے بے موت تمھیں موت نے مارا بچوّ

عرض کرنے لگی زینبؑ سے یہ فضّہ غمگیں بی بی ہے ہے مرے دل کو تو یہ ہوتا ہے یقیں
لوٹ کر خیموں کو جانے لگی جب فوجِ لعیں آ گئے گھوڑوں کی ٹاپوں میں خورشید مبیں
حال ان کے جگر و قلب کو تڑپاتے ہیں
پھول سے جسموں پہ سب نیل نظر آتے ہیں

سوز

اے چرخ تیری شرم و حیا آج کیا ہوئی زینبؑ سے تو یہ پوچھو بلا آج کیا ہوئی
کل کیا ستم ہوئے تھے بلا آج کیا ہوئی بھیجی تھی جو خدا نے ردا آج کیا ہوئی
بلوہ میں گاہ جاتی ہو گہ قید ہوتی ہو
زینبؑ کہو حسینؑ کو کس وقت روتی ہو

سلام

از بحر العلوم سید ضیا حسین تقوی ضیا اعتمادی اعلی اللہ مقامہ

الف الحمد کا کھینچا مرے چاکِ گریباں پر
جنوں نے حمد لکھدی ہے مرے جزدانِ ایماں پر

نمازِ عصر کی تو نے ادا نوں سے وضو کر کے
صداقت سجدہ کُن ہے خونِ حکیدہ تیرے داماں پر

مرے جوشِ جنوں سے ہر قدم پہ پھول بچھ جائیں
علیؑ کا نام لیکر جب چلوں خارِ مغیلاں پر

طلوعِ صبحِ ایقاں ناز فرما حشر تک ہو گی
بصد حُسنِ عقیدت عظمتِ شامِ غریباں پر

شہادت پا کے اے اسلام تجھکو زندگی بخشی
شہِ کربِ و بلا کو تھا یقیں ایسا رگِ جاں پر

جبیں سائی سے اپنی کب یہ خالی کوئی صحرا
درخشاں سجدے ہیں ہر ذرہ خاکِ بیاباں پر

شہیدانِ رہِ عرفاں کے پاکیزہ لہو سے ہیں
یہ ساری رونقیں اسلام تیرے روئے تاباں پر

صدائیں آج بھی کعبے سے آتی ہیں یہی پیہم!
حکومت حضرت شبیرؑ کی ہے اہلِ ایماں پر

ازل سے ہوں ضیا میں رحمتِ کونین کا خادم
نہ کیوں بارش ہو رحمت کی مرے ہر داغِ عصیاں پر

(نجم آفندی)

ولولۂ انقلاب

اب کیا مرے گناہ رہینگے حساب میں
گھُل مِل گیا ہوں خاکِ درِ بُوتراب میں

کتنی ہی صُورتیں ہیں خُدا کی کتاب میں
لاؤ کوئی شبیہ نبیؐ کے جواب میں

بندے جنھیں کلام ہے عزت کے باب میں
اِصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں

گُزری ہے عمر بندگیٔ بُوتراب میں
میں بھی شریک ہوں شرفِ آفتاب میں

یہ اپنی جان دے کے بچاتے نہ کس طرح
اِسلام کمسنی میں تھا اکبر شباب میں

تا شام رَوندتے ہوئے عابدؑ چلے گئے
کانٹے تھے پھُول ولولۂ انقلاب میں

پروردۂ غدیر کی اللہ رے مستیاں
کوثر ڈبو دیا ہے وِلا کی شراب میں

اقرار باللسان کرے اے بندۂ خدا
رکھتا ہے اُلفتِ شہِ مرداں حجاب میں

اِک شہسوارِ راہِ تولّا کو ہوش کیا
سُنتا ہوں آسمان و زمین ہیں رکاب میں

اصغرؑ بڑے بڑوں سے کچھ آگے نکل گئے
کیا گھٹنیوں چلے ہیں یہ راہِ تواب میں

دل ہو نہ ہو زباں تو نصیری ضرور تھی!
جب مُنہ کھلا کنندۂ خیبر کے باب میں

تحقیق کا جنون ہے، فکرِ عمل نہیں
کیا ڈھونڈتے ہو کربِ بلا کی کتاب میں

رفعت میرے کلام کی عرش آشنا ہے نجم
کھیلی ہے فکرِ دامنِ برق و سحاب میں

(نجم آفندی)

حُبِّ اہلبیتؑ

کربلا کی منزلت ثابت ہے ہر عنوان سے
وید سے توریت سے انجیل سے قرآن سے

رفتہ رفتہ ہی بڑھے گا رابطہ ایمان سے
شیخ بیٹھے تو ہیں مجلس میں مگر اجان سے

حُبِّ اہلبیتؑ ہے حق کو بہر صورت پسند
بیخودی کی شان سے ہو یا خودی کی شان سے

بارہا حج کو سدھارے کربلا اب کے سہی
اب بھی کیا بگڑا ہے ہو جاتی ہے بھول انسان سے

مدحِ حیدرؑ، ماتمِ شبیرؑ، احساسِ ولا
جینے والو مجھکو مرنا ہے بڑے سامان سے

مان پھر یہ بھی نہ سوچا دیکھکر اکبرؑ کی جنگ
ہم نے اٹھارہ برس پالا ہے کس ارمان سے

دستِ ماتم دار خود ہی کھول لیگا بابِ خُلد
ہم عزادارو کا معروضہ نہیں رضوان سے

کربلا والوں نے دُنیا کو دیئے کیا کیا سبق
قید خانہ کی فضا تک جنگ کے میدان سے

نُور اس عنوان کا پیشانیٔ آدمؑ میں تھا
آدمی سجدے کرا سکتا ہے جس عنوان سے

لائیے تاریخ کے دریا سے ایک ایسی مثال
نہر پر قبضہ کیا عباسؑ نے جس شان سے

حُر جنھیں مقتل میں لایا تھا انھیں پیران جا دی
زیست کس عنوان سے رکھی موت کس عنوان سے

لاکھ کثرت سے سنو کم حکمِ قرآنی ہے یہ
آپ قرآں ریغبل اور دو رہیں قرآن سے

کر دیا اخلاق کی قدروں کو زندہ یا حسینؑ
سر اُٹھا سکتی نہیں دُنیا ترے احسان سے

سلام

از

جناب پروفیسر نعیم تقوی صاحب

باعثِ رشک نہ کیوں حُر کا مقدّر نکلے
جو گدا ہو کے بھی قسمت کا سکندر نکلے

درسِ آزادی انھیں شہ کی غلامی سے ملا
حرّیت کہتی ہے حُر عزم کا پیکر نکلے

دیکھکر حُر کو بن سعد سا منحوس تھا چُپ
صُبح عاشور ہوئی چھوڑ کے لشکر نکلے

رات کیا ختم ہوئی حُر کی تو قسمت چمکی
صُبحِ آزادیٔ انساں کا یہ منظر نکلے

دُخترِ فاطمہؑ زہرا نے کہا ان کو سلام
آئے دُنیا میں کوئی ان کے برابر نکلے

جس نے دیکھا، کیا معصوم پہ قرآں کا گماں
جبکہ شبیرؑ لئے ہاتھوں پہ اصغر نکلے

مُسکرا کر سرِ میداں علی اصغرؑ نے کہا
ہم بھی بھیّا علی اکبرؑ کے برابر نکلے

پہلے قرباں تو کئے دعوںؑ و محمدؐ لیکن
دیکھئے حضرتِ زینبؑ، علی اکبرؑ نکلے

سبطِ سرکارِ دو عالم کے ہو خادم تقوی
تم بفضلِ شہِ لولاک سخنور نکلے

سلام

از جناب پروفیسر نعیم تقوی صاحب

نسبت ہے بصیرت کو تری خاکِ قدم سے
تابانیٔ رُخسار شہادت ترے دم سے

قائم ہیں نمازیں ترے سجدے کی بدولت
آتی ہیں صدائیں یہی محرابِ حرم سے

کس عصر کی آغوش میں تابندہ ابد ہے
ہے صبحِ ازل سُرخ و کس شامِ الم سے

اے شمسِ بقیع یہ ہے بوسہ گہِ سرورِ عالم!
غبار نہ چلا پوچھ دلِ شاہِ اُمم سے

اے چشمِ یقیں بر سرِ مژگاں نہیں آنسو
پلکے ہیں یہ تابندہ گہر دجلۂ غم سے

ہر صفحۂ طوفاں پہ لکھا اہلِ وفا نے
اُفسانۂ دلِ موجۂ ایقاں کے قلم سے

یا شہِ بطحا سے مزیّن ہے یہ ہستی
بزمِ دلِ تقوی ہے سجی خلوتِ غم سے!

سلام ——— از سرور ضیائی

انسانیت بلند ترا سر ہے آج بھی!
روشن پیام سبط پیمبر ہے آج بھی

ہر نوجواں کو ملتا ہے درسِ حیاتِ نو
تابندہ عزمِ قاسم و اکبرؑ ہے آج بھی

ہر ایک حق پرست ہے، وابستۂ یقیں
پیشِ نظر رسولؐ کا دلبر ہے آج بھی

وہ بے وطن بسا ہے مرے شہرِ قلب میں
جو کائنات عزم کا رہبر ہے آج بھی

دینِ مبیں پہ اپنا بھرا گھر لٹا دیا!
ذکرِ حسینؑ اسلئے گھر گھر ہے آج بھی

تھی کس بلا کی تشنگی تیری لبِ فرات
لرزاں ہر ایک موجۂ کوثر ہے آج بھی

سلام ——— از نصیر احمد ناصر

خون دیکر نخلِ دیں سرسبز و تازہ کر دیا
سبطِ پیغمبرؐ نے حق کا بول بالا کر دیا

ناز ہے تجھ پہ شہادت کو شہید کربلا
عظمت و شانِ شہادت میں اضافہ کر دیا

روند ڈالا جسمِ اقدس تیری رسوائی نہ تھی
وحشیوں نے عظمتِ آدم کو رسوا کر دیا

آہ وہ معصوم بچے اور وہ تشنہ لبی
ظالموں کو حرص نے بالکل درندہ کر دیا

اے حسینؑ ابنِ علیؑ اے تشنۂ کربِ بلا
جان دیکر تو نے ہم مُردوں کو زندہ کر دیا

یاد تو ہوگا تجھے اے کربلا وہ واقعہ
ظلمتوں میں اک مسافر نے اُجالا کر دیا

سلامِ آخر!

از سید آلِ رضا (مرحوم)

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پرسہ تمھارے پیاروں کا

سلام ان پہ جنھیں شرم کھائے جاتی ہے
کھلے سروں پہ اسیری کی خاک آتی ہے

سلام ان پہ جو زحمت کشِ سلاسل ہے
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہے

سلام بھیجتے ہیں اپنی شاہزادی پر!
کہ جسکو سونپ گئے مرتے وقت گھر سرور

مسافرت نے جسے بے بسی یہ دکھلائی
نثار کر دیئے بچے نہ بچ سکا بھائی

اسیر ہو کے جسے شامیوں کے نرغے میں
حسینیتؑ ہے سکھانا علیؑ کے لہجے میں

سکینہؑ بی بی تمھارے غلام حاضر ہیں
تجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں

یہ سن، یہ حشر، یہ صدمے نئے نئے بی بی!
کہاں پہ بیٹھی ہو خیمے تو جل گئے بی بی!

پہاڑ سی رات بڑی دیر ہے سویرے میں
کہاں ہو شام غریباں کے گھپ اندھیرے میں

زمینِ گرم یتیمی کی سختیاں. بی بی
وہ سینہ جس پہ کہ سوتی تھیں اب کہاں بی بی

جنابِ مادرِ بے شیر کو بھی سب کا سلام
عجیب وقت ہے کیا دیں تسلیوں کا پیام

ابھی کلیجے میں اک آگ سی لگی ہوگی
ابھی تو گود کی گرمی نہ کم ہوئی ہوگی

نہیں اندھیرے میں کچھ سوجھتا کہاں ڈھونڈیں
تمہارا چاند کہاں چھپ گیا کہاں ڈھونڈیں

نہ اس طرح کوئی کھیتی ہری بھری اجڑی!
تمہاری مانگ بھی اجڑی ہے کوکھ بھی اجڑی

نہیں لعینوں میں انساں کوئی خدا حافظ
درندے! اور یہ بے وارثی، خدا حافظ

شریکِ حق، درود سلام پیغمبر
سلام سیدِ لولاک کے بھرے گھر پر

سلام محسنِ اسلام خستہ تن لاشو!
سلام تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو

سلام تم پہ رسولؐ و بتولؑ کے پیارو!
سلام مہرِ شہادت کے گرد سیارو

بچے تو اگلے برس ہم ہیں اور یہ غم پھر ہے
جو چل بسے تو یہ اپنا سلامِ آخر ہے

عزاداریٔ سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

سے منسلک نادر و نایاب کتب جو اجرِ رسالتؐ کی ادائیگی میں

دوستدارانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی معاون و مددگار ہیں

بلاغتِ حسینؑ : سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے خطبات، مکتوبات اور حکیمانہ اقوال قیمت روپئے

کربلا : واقعہ کربلا پر فطرت نگار منشی پریم چند کی اچھوتی تحریر " روپئے

سوزِ کربلا : تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ، حصہ اوّل شہادت رسولِ خداؐ سے شہادتِ امام حسینؑ تک اور سفر امام حسینؑ سے شام غریباں تک کے مرثیوں کا مجموعہ " روپئے

حصہ دوم : اسیری اہلحرم سے قافلہ کی مدینہ واپسی تک اور آئمہ معصومینؑ کی شہادتوں کے مرثیوں کا مجموعہ " روپئے

گلزارِ انیس : میر انیس کے تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ " روپئے

ہلالِ محرم شمشیرِ ماتم : تاریخ وار سوز، سلام، مرثیوں اور نوحوں کا مجموعہ حصہ اوّل تا حصہ ششم فی حصہ " روپئے

انیسِ کربلا : سید شبیہ احمد انیس پرسری کے تاریخ وار نوحوں کا مجموعہ جو کراچی کی مشہور و معروف انجمنوں کی بیاضوں میں شامل ہیں حصہ اوّل تا حصہ چہارم ۔ فی حصہ " روپئے

بیاضِ متین : میر اسد علی خاں متین کے تاریخ وار نوحوں کا مجموعہ حصہ اوّل، حصہ دوم فی حصہ " روپئے

جامِ شہادت : شوکت کے تاریخ وار نوحوں کا مجموعہ حصہ اول، دوم، سوم

ذکرِ مظلوم : خواتین خصوصاً نوآموز ذاکروں کے لیے چالیس تاریخ وار مجالس کا مجموعہ جس میں ہر ایام غم کی مناسبت سے مجالس درج ہیں ۔ " روپئے

بارہ مجلسیں : علامہ ذیشان حیدر جوادی روپئے

ذیشان المجالس " " " روپئے

قتیلِ کربلا روپئے

ذخیرہ مصائب : خواتین کی مجالس روپئے

زہرا کا لال روپئے

گنجینہ خطابت : بچوں کیلیے مجالس روپئے

احمد بک ڈپو۔ امام بارگاہ ۔ رضویہ سوسائٹی کراچی ۱۸

توحید الآئمہ

صحیفہ توحید ——— بزبان اردو

مرتبہ :۔ ممتاز الافاضل جناب مولانا سیّد محمد ہارون قبلہ

معقولات و منقولات اور روزمرّہ مشاہدات و تجربات کے علاوہ عقلی و سائنسی توجیہات کیساتھ آئمہ معصومین علیہم السّلام کے فرامین کی روشنی میں مسئلہ وجود و توحید باری تعالیٰ کے حوالہ سے مختلف الہامی و غیر الہامی، تبلیغی و غیر تبلیغی، قدیم ادیان و مذاہب اور جدید نظریات کا تقابلی موازنہ و مطالعہ۔

مسئلہ وجود و توحید پر بلاشبہ ایک منفرد و مکمّل کتاب جس میں اِسلام (اور خصوصاً اثنا عشری عقیدہ وجود و توحید) پر ہر دور کے معترضین اور منحرفین کے اعتراضات و اختلافات کا دندان شکن مدلّل و مؤثر جواب دیا گیا ہے۔

دینیات کے طلباء و طالبات اور عامۃ النّاس کے علاوہ علماء و ذاکرین کرام کے لیے بھی ایک گرانقدر علمی تحفہ۔

قیمت صرف ۳۵ روپئے

ملنے کا پتہ: احمد بکڈپو ۔ امام بارگاہ شاہِ کربلا

رضویہ سوسائٹی۔ کراچی ۱۸